رکن کونسل آف جرائد اہلسنت

ماہنامہ مجلہ الحقیقہ پاکستان

اتحادِ ملت کی ضرورت و صورت

پروفیسر محمد حسین آسی

توحید اور محبوبانِ خدا کے کمالات

پروفیسر محمد حسین آسی

اداریہ

ملک و ملت کیونکر مضبوط ہوں

اگست 2003ء

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پر اعتراضات کا علمی جائزہ

(پیر محمد کرم شاہ صاحب الازہری)

حضرت قائد اعظم اور جذبہ تعمیر پاکستان

(پروفیسر محمد مظفر مرزا)

حمد و نعت

حمد اس کی ،ذات و وصف میں جو ہے تو وحدہ
نعت اس کی ،جو رسولہ ' ہے اور عبدہ'

حمد اس کی ،جو قدیم ہے اور کارساز ہے
نعت اس کی جو کریم ہے،بے کس نواز ہے

حمد اس کی ،جو ہے ذات فقط واجب الوجود
نعت اس کی جس کی ذات ہوئی باعث شہود

حمد اس کی جو ہے پاک تغیر سے بالیقین
نعت اس کی جو ہے آئینہ رب العالمین

حمد اس کی جو عزیز بھی ہے،ذوانتقام بھی
نعت اس کی جو ہے اس کا مدار المہام بھی

حمد اس کی جو جہاں کا ہے پروردگار بھی
نعت اس کی جو ہے حاصل لیل و نہار بھی

حمد اس کی جس کے حکم سے استادہ آسماں
نعت اس کی جس کا نور ہے قندیل لا مکاں

حمد اس کی جو جلیل بھی ہے اور قدیر بھی
نعت اس کی جو بشیر بھی ہے اور نذیر بھی

حمد اس کی جو ہے پاک ولادت سے بالیقین
نعت اس کی جس کا پڑھتے ہیں میلاد اہل دیں

جس کا نہیں شریک ،وہ رب غفور ہے
جس کی نہیں مثال ،وہ ذات حضور ہے

پروفیسر محمد حسین آسی

یا ایہا النبی جاہد الکفار والمنافقین واغلظ علیہم
اے نبی! جہاد کرو کافروں اور منافقوں سے اور ان پر سختی کرو (التوبہ ۷۳)

زیر سرپرستی
مفکر اسلام حضرت علامہ
مولانا پروفیسر محمد حسین آسی نقشبندی قادری

ماہنامہ مجلہ الحقیقہ (پاکستان)

مدیر اعلیٰ: شجاعت علی مجاہد
مدیر مسئول: ابو طلحہ نوری
مدیر منتظم: شمس الدین نقشبندی

جمادی الثانی ۱۴۲۴ھ اگست 2003ء جلد نمبر 3 شمارہ نمبر 10

فہرس

مجلس مشاورت
صاحبزادہ نور المصطفیٰ رضوی
علامہ شفقات احمد نقشبندی
ڈاکٹر محمد ظفر اقبال نوری ٭ محمد رضاء الدین صدیقی

زیر اہتمام: حاجی اخلاق احمد نقشبندی

مشیر قانون: غلام فرید چوہدری، ایڈووکیٹ ایم اے ایل ایل بی، لاثانی ایجیمبرز ہائیکورٹ لاہور
غلام محی الدین خان، ایڈووکیٹ ہائیکورٹ لاہور

زر تعاون
پاکستان (فی پرچہ) 10 روپے سالانہ بذریعہ ڈاک -/124 روپے

	فی پرچہ	سالانہ چندہ
یورپ	1 پونڈ	10 پونڈ
یو ایس اے	1.5 ڈالر	15 ڈالر
عرب ممالک	3 ریال	30 ریال

رابطہ: صوفی محمد آصف نقشبندی، انچارج دفتر الحقیقہ نقش لاثانی نگر شکر گڑھ

پبلشر: پروفیسر محمد حسین آسی نے احمد دین پرنٹرز داتا مارکیٹ لاہور سے چھپوا کر مرکزی دفتر مجلۃ الحقیقہ نقش لاثانی نگر، شکر گڑھ فون نمبر: 451734 (نارووال) سے شائع کیا

اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ

یونس-۶۳

ترجمہ: سُن لو اللہ کے ولیوں پر نہ کچھ خوف ہے اور نہ کچھ غم

کلمۃ الحقیقہ — اداریہ

۱۴ اگست کا پیغام

ملک و ملت کیونکر مضبوط ہوں

(الٰہی بھیج کوئی رہنما صدیق اکبرؓ سا)

صدارت اعلیٰ کے قلم سے

پاکستان کی تاریخ کے حوالے سے ۱۴ اگست کا دن ہمارے لئے بہت اہمیت کا حامل ہے کہ اس روز پاکستان کا قیام عمل میں آیا اور برصغیر کے مسلمانوں کو ایک ایسا خطہ زمین مل گیا جس میں وہ پوری آزادی سے کتاب وسنت پر عمل کر کے ساری دنیا کو اس الہامی نظام کی برکات کا مشاہدہ کرا سکیں۔ بانی پاکستان حضرت قائداعظم محمد علی جناح علیہ الرحمہ تحریک پاکستان کے دوران اس کا یہی مقصد بیان فرمایا کرتے تھے اور علماء ومشائخ نے جوان کا بھرپور ساتھ دیا، اسی بنا پر دیا۔ حسن اتفاق یہ کہ ۱۴ اگست ہی کو ماہ رمضان المبارک کی ستائیسویں رات تھی یعنی وہ مقدس رات جس میں قرآن پاک نازل ہوا۔ مختصر یہ کہ پاکستان کا نظریاتی اور اساسی طور پر قرآن پاک کی تعلیمات کے نفاذ کے لیے وقف ہے۔

الحقیقہ کا یہ شمارہ جس طرح عیسوی تقویم کے ماہ اگست کے متعلق ہے، یونہی ہجری تقویم کے ماہ جمادی الاخریٰ سے بھی منسوب ہے اور یہ وہ ماہ مقدس ہے جس کی ۲۱ تاریخ کو یار غار نبوت، چرخ صداقت، تاجدار اقلیم رضا، شہریار کشور صدق وصفا، پیکر عشق رسول، نازش فروع واصول حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وصال شریف ہوا۔ پاکستان اپنے قیام سے لے کر اب تک جن مشکلات سے دوچار رہے، ان سے کئی گنا زیادہ وہ مشکلات تھیں جن سے حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مسند خلافت پر قدم رکھتے ہی واسطہ پڑا اور آپ نے انہیں چند دنوں میں حل کر لیا۔ ہاں ہاں مشکلات جتنی بھی مہیب ہوں۔ ان پر قابو پانا زیادہ مشکل نہیں بشرطیکہ ان کا وہی علاج کیا جائے جو حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کیا تھا۔ وہ علاج کیا تھا، حضرت اقبال سے پوچھئے، فرماتے ہیں

قوت عشق سے ہر پست کو بالا کر دے
دہر میں اسم محمد ﷺ سے اجالا کر دے

آیئے ان زہرہ گداز مشکلات جن سے کامل الایمان صحابہ کرام بھی گھبرا گئے تھے، کا کچھ ذکر کریں۔ بات یہ ہے کہ حضور ﷺ کا وصال ہو گیا تو ادھر منافقین مدینہ نے اپنی پوزیشن سنبھال لی اور سازشوں کے جال بننا شروع کر دیے، ادھر ملک کے طول وعرض میں مردوں عورتوں میں نبوت کے جھوٹے مدعی پیدا ہو گئے اور ان کے ساتھ ساتھ بعض قبائل نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا۔ مخلصین حرمین شریفین میں تھے یا طائف میں، باقی سارا عرب ارتداور

بغاوت کی زد میں آ گیا تھا۔ یہ نہیں کہ باقی علاقوں میں مسلمان بالکل نہیں تھے، تھے مگر بہت ہی کم، جن کے لیے اپنے اپنے علاقے میں بغاوت روکنا بہت ہی دشوار تھا۔

علاوہ ازیں حضور پرنور ﷺ وصال شریف سے کچھ دن پہلے ایک لشکر تیار فرما گئے تھے جسے موتہ تک جا کر رومی سلطنت کے سامنے عسکری قوت کا مظاہرہ کرنا تھا۔ اس لشکر کی کمان پر سترہ سالہ حضرت اسامہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) مقرر کیے گئے اور بڑے بڑے جرنیل صحابہ ان کے ماتحت رکھے گئے۔

ان حالت میں 'عقل' کا مخلصانہ مشورہ یہی تھا کہ ہر قدم احتیاط سے اٹھایا جائے اور اتنے کثیر دشمنوں کو یکبارگی چھیڑ چھاڑ کرنے کا موقع نہ دیا جائے۔ مثلاً نبوت کے جھوٹے مدعی پہلے نپٹا لئے جائیں اور زکوٰۃ کے منکرین کو معاف کر دیا جائے یا انھیں بعد میں دعوت مبارزت دی جائے۔ بعض اکابر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنھم کو بھی اس شبہ تھا کہ کیا شرعی طور پر ایسے منکرین زکوٰۃ سے جو نماز و روزہ کے پابند ہیں، جہاد جائز بھی ہے؟ حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا 'اللہ کی قسم جو لوگ نماز اور زکوٰۃ میں تفریق کریں گے، میں ان کے خلاف تلوار اٹھاؤں گا۔ وہ مجھ سے اونٹ باندھنے کی رسی ہی کیوں نہ روکیں، میں ان سے جہاد کروں گا، وحی ختم ہو چکی۔ دین مکمل ہو لیا، کیا میرے جیتے جی مذہب میں کمی ہوگی'۔ یہ جواب صحابہ کرام کی موجودگی میں ان لوگوں کو تھا جو مختلف منکرین زکوٰۃ سرداران قبائل کی طرف سے مدینہ منورہ میں قاصد بن کر آئے تھے یہ لوگ دیکھ رہے تھے کہ مدینہ منورہ میں بظاہر کوئی فوجی طاقت نہیں۔ چنانچہ انہوں نے حسب توقع اپنے قبائل کو یہی مشورہ دیا تھا کہ مدینہ منورہ پر فوراً حملہ کر دو۔ یہی وجہ تھی کہ قاصدوں کی واپسی کی تیسری رات ہی طلیحہ بن خویلد نے اپنے بھتیجے حبال سے مدینہ منورہ پر حملہ کروایا۔ اگر چہ وہ دم دبا کر بھاگا اور آخر کار وہ اسلامی لشکر سے طلیحہ خود بھی شکست کھا گیا۔

بحر حال سب سے نازک مسئلہ تھا حضرت اسامہ کے لشکر کی روانگی کا۔ تقریباً سب کا یہی مشورہ تھا کہ اسے فی الحال روک لیا جائے مگر قربان جایئے جناب سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عشق و اطاعت کے، وہ فرماتے تھے کہ "قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں ابوبکر کی جان ہے۔ جس جھنڈے کو اللہ کے رسول ﷺ نے لہرا دیا ہے، اس کو نہیں اتاروں گا۔ اگر چہ مجھے یقین ہو کہ شکاری جانور مجھے اچک کر لے جائیں گے تو بھی رسول اللہ ﷺ کے حکم کے بموجب مہم اسامہ کو انجام دوں گا۔"

عقل کی رو سے تو حضرت اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لشکر کی روانگی گویا مدینہ منورہ یعنی اسلامی سلطنت کے دارالخلافہ کو غیر محفوظ اور بے سہارا رکھنے کے مترادف تھی۔ مگر برکت عشق سے لشکر کی روانگی کا منکرین و مخالفین پر نفسیاتی اثر اس کے بالکل برعکس ہوا، ان کو یقین ہو گیا کہ مسلمانوں میں ابھی وہی دم خم ہے اور یقیناً ان کے مرکز میں کافی قوت ہے جس کی بنا پر روم جیسی سلطنت سے ٹکر لینے کیلئے انھوں نے فوج بھیج دی ہے۔ اسی طرح نفسیاتی حوصلہ افزائی اہل ایمان کی بھی ہوئی اور وہ اپنے اپنے علاقے میں کفر کے مقابلے میں ڈٹ گئے۔ حضرت اقبال فرماتے ہیں۔

مومن از عشق و عشق از مومن است
عشق را ناممکن ما ممکن است!

یعنی مومن کا تعلق عشق سے ہے اور عشق کا مومن سے عشق ہو تو وہ کام جنھیں ہم ناممکن سمجھتے ہیں، ممکن ہو جاتے ہیں۔

دیکھئے حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے عشق صادق نے ناممکن کام ممکن کر دکھایا، اسلام کی تاریخ عشق کے کرشموں کی داستان ہے۔ اسلام کی ساری فتوحات جذبہ عشق ہی کی فتوحات ہیں۔ جب تک قوم میں یہ جذبہ صادقہ زندہ و پائندہ تھا۔ طارق بن زیاد، نور الدین زنگی، صلاح الدین ایوبی، سلطان محمود غزنوی، شہاب الدین غوری، شیر شاہ سوری اور اورنگ زیب عالمگیر علیہم الرحمۃ جیسے لوگ پیدا ہوتے رہے، بلکہ یہی جذبہ عشق تھا جس نے بایزید بسطامی، جنید بغدادی، حضور غوث اعظم، داتا گنج بخش، خواجہ غریب نواز، شیخ شہاب الدین سہروردی، مجدد الف ثانی اور حضور شہنشاہ لا ثانی رضی اللہ عنھم جیسی شخصیا

ت کوجنم دیا، مولانا روم، امام غزالی، شیخ عبدالحق محدث دہلوی اور مولانا امام احمد رضا خاں بریلوی جیسے علماء اس خمیر عشق سے تیار ہوئے تھے۔حق یہ ہے کہ تحریک پاکستان اس عشق نے چلائی نیز اقبال کو حکیم الامت، محمد علی جناح کو قائد اعظم بھی اسی عشق نے بنایا تھا۔ واللہ یہ بات اللہ کی غیرت ہی کے خلاف ہے کہ کوئی شخص اس کے حبیب اعظم ﷺ کے عشق سے محروم ہو کر بھی کوئی کارنامہ سرانجام دے سکے۔ واللہ نہ ایسا ہوا اور نہ ایسا ہو سکتا ہے۔

کون نہیں جانتا دو قومی نظریہ ہی پاکستان کا اساسی و بنیادی نظریہ ہے، اس کی جتنی تشریحات بھی کی جائیں، آخر بات یہی ختم ہوتی ہے۔عشق حبیب کریم علیہ الصلوۃ والسلام والے ایک قوم ہیں اور اس عشق سے جو محروم ہیں، وہ دوسری قوم ہیں،''جولوگ عشق کے بغیر توحید و رسالت کی گواہی دیتے ہیں، وہ خود قبول ہیں نہ ان کی گواہی۔ ایمان کا دوسرا نام عشق رسول ﷺ ہے۔ کافر و مومن کے درمیان مابہ الامتیاز کلمہ نہیں، عشق ہے، حکیم الامت فرماتے ہیں،

خرد نے کہہ دیا لا الہ تو کیا حاصل
دل و نگاہ مسلماں نہیں تو کچھ بھی نہیں

یہی حضرت اقبال ہیں جنھوں نے پاکستان کا تصور پیش کیا، ایک اور جگہ فرماتے ہیں۔

مغز قرآں، روح الایماں، جانِ دیں
ہست حب رحمۃٌ للعالمین ﷺ

ہاں ہاں خدا گواہ پاکستان عشق والوں نے ہی بنایا تھا جس میں جتنا عشق تھا، اس نے اتنا ہی حصہ لیا اور جو عشق سے جتنا دور تھا، اتنا ہی پاکستان کی تحریک میں اس کا کردار منفی ہے۔ گاندھی، نہرو، پٹیل، تارا سنگھ مونٹ بیٹن، ابوالکلام آزاد، انھیں چھوڑیئے جو مشرک ہو، اسے عشق سے کیا تعلق، وہ لوگ جو کلمہ پڑھنے کے باوجود عشق و مستی سے محروم تھے، وہ پاکستان کی تحریک میں حصہ لینے سے محروم رہے اور عشق و مستی کی بجائے بغض و کینہ کی پیداوار تھے، وہ پاکستان اور بانیان پاکستان کے خلاف بھی اسی بغض و کینہ کا شکار رہے۔ پاکستان بن گیا تو مخالفین پاکستان کو پاکستان چھوڑ کر بھارت چلے جانا چاہئے تھا، مگر پھر پاکستان کے اندر رہ کر اس کے خلاف شرارتیں کون کرتا، لہذا دشمنان پاکستان جو کلمہ پڑھنے کے باوجود دل و نگاہ کی مسلمانی سے محروم تھے، یہیں رہے مگر بھیس بدل کر۔

یعنی پہلے وہ سیاست کے میدان میں بازیگری کرتے تھے، اب انہوں نے زہد و تقویٰ کے لبادے کی نمائش بھی ساتھ ملا لی۔ پاکستان کی تحریک میں شامل نہ ہونا بھی قومی جرم تھا مگر مسلم لیگ کی مخالفت اور کانگرس کی اطاعت تو بہت بڑا جرم تھی۔ اب اس جرم پر پردہ ڈالا جانے لگا، چنانچہ زیادہ زور تبلیغ، تدریس پیری مریدی پر دیا۔ گویا کل کے باغی آج کے صوفی اور کل کے رہزن آج کے رہنما بن گئے۔ قوم خاموش رہی، صابر بنی رہی یا بے حسی کا مظاہرہ کرتی رہی اور یہ اسی پاکستان میں جس کے ازلی دشمن تھے کرسیوں اور مسندوں پر براجمان ہوتے رہے۔ وزیر بنتے رہے، مشیر بنتے رہے اور صدارت تک پہنچتے رہے۔ گویا ان پر کوئی پابندی عائد نہیں کی گئی، انہیں ان کے ماضی کے حوالے سے کچھ نہیں کہا گیا، پھر انہوں نے مختلف شاخوں میں بٹ کر پاکستان کی فوج کے ہوتے ہوئے اپنی اپنی فوجیں بنالیں۔ مدرسے اسلحہ خانے بن گئے اور کتابیں پڑھنے والے کلاشنکوف سے کھیلنے لگے۔ جہاد کشمیر کا نام لیا اور ہزاروں، لاکھوں نہیں کروڑوں تک چندہ اکٹھا کیا، سیدھے سادھے مکانات ایوانوں میں بدل گئے، سائیکل چلانے والے پجارو میں گھومنے لگے اور کشمیر میں جہاد کا نام لینے والے اپنے وطن ہی کی مسجدوں پر قبضے جمانے لگے۔ آج کل مولانا فضل الرحمٰن بھارت کے دورے پر ہیں اور ''نوائے وقت'' جیسے قومی اخبارات اس کے بیانات کو غدارانہ کہہ رہے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ وہ کب غدار نہیں تھا۔ اس نے یہاں پاکستان میں بھی کہہ دیا تھا'' پاکستان کا قیام اس صدی کا سب سے بڑا افراڈ ہے'' افسوس قوم بھول جاتی ہے کانگرسی جہاں بھی ہے کانگرسی ہے۔ خیر انھیں چھوڑیئے، انھیں جو کرنا تھا اپنی فطرت کے تقاضوں کے مطابق

کرتے رہے دیکھنا تو یہ ہے کہ قوم کے حکمرانوں نے اور دوسرے ذمہ دار طبقوں نے کیا کیا۔

ہم سے کیا ہو سکا محبت میں
خیر تم نے تو بے وفائی کی

پاکستان کی داستان بڑی دردناک ہے۔اس کے قیام کے قریباً ایک سال بعد ہی اسکے بانی حضرت قائداعظم داغ جدائی دے گئے۔بعد میں جو لوگ آئے ،انھیں اپنے اقتدار کی فکر تو عموماً زیادہ رہی مگر قوم وملت کے استحکام سے زیادہ دلچسپی نہیں تھی۔جمہوریت اور مارشل لاء کی آنکھ مچولی رہی مگر جو بھی آیا ،ایک دو کے سوا،اس کے لوٹنے کو ہی مقصود ٹھہرایا اور اکثر و بیشتر مصائب ومسائل میں ہی اضافہ کیا ،ان کے حل کی طرف توجہ نہ دی۔بدتدبیریوں کی بنا پر قوم پر قرضوں کا بوجھ بڑھتا رہا ،بے روزگاری مسلط ہوتی گئی ،دہشت گردی کا گراف بہت اونچا ہو گیا۔بے حیائی اور فحاشی روز بروز عام ہوتی گئی۔مملکت اسلامیہ کی فوج ہی غازیوں اور مجاہدوں کی فوج ہوتی ہے ،مگر اصل فوج کے ہاں جہاد کا تصور دھندلاتا گیا اور بعض پرائیویٹ کمپنیوں نے جہاد کے نام پر جعلی کارنامے سنا سنا کر قوم کے اچھے خاصے طبقے کو اپنا گرویدہ بنالیا۔کاش حکمران طبقہ حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نقش قدم پر چل کر ایمان وعشق کے تقاضے پورے کرتا اور اپنے نبی محترم رسول مکرم ﷺ کی تعلیمات وہدایت کو پیش نظر رکھتا۔

جب منکرین زکوٰۃ کو نظر انداز کرنے کی اپیل کی گئی تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا

''دین مکمل ہو گیا۔کیا میرے جیتے جی دین میں کمی کی جائے گی۔''

دوسرے لفظوں میں آپ نے فرمایا میری جان جائے تو جائے مگر دین پر آنچ نہیں آنے دوں گا اور کسی صورت اس میں کمی بیشی قبول نہیں کی جائے گی۔جناب مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ السلام کا حکم نافذ ہے اور یہی نافذ رہے گا۔

افسوس آج اس کے برعکس ہو رہا ہے۔ہمارے حکمران کس بے تکلفی سے اسلامی اخوت کے مقابلے میں سب سے پہلے پاکستان ،کا نعرہ لگاتے ہیں اور خدا کے باغیوں کو خوش کرنے کے لیے سچا پکا مسلمان کہلانے کی بجائے 'لبرل مسلمان' کہلوانا پسند کرتے ہیں۔حکمرانوں کا یہ رویہ ایک مدت سے یہی ہے بلکہ جیسا کہ اوپر گزرا حضرت قائداعظم علیہ الرحمہ کے بعد شاید ہی کسی صدر یا وزیر اعظم کو 'اسلام' یا 'پاکستان' کا مفاد اپنے ذاتی اقتدار سے ملحوظ تر ہو۔وطن عزیز میں زیادہ تر ان لوگوں کی خوشنودی کو اہمیت دی جاتی ہے جو پہلے دن سے ہی ہر اس کام کے خلاف ہوتے ہیں جس کا فائدہ پاکستان کو پہنچ سکے۔کالا باغ ڈیم کیوں نہیں بن رہا؟ صرف اس لئے کہ 'غدار' پسند نہیں کرتے۔ریڈیو ،ٹیلی ویژن سے فحاشی کیوں پھیلائی جا رہی ہے؟ لبرل مسلمانی کا تقاضا ہے ،بجلی اور مختلف اشیاء کی مہنگائی کس لئے؟ اس لئے کہ قرضے دینے والوں کی شرائط ہی اسی قسم کی ہیں۔

چنانچہ حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تو صرف نو مہینوں میں ہر قسم کی مشکلات پر قابو پالیا تھا اور یہاں نصف صدی سے بھی زیادہ عرصہ گزرنے کے باوجود مشکلات میں کمی تو کیا ،اضافہ ہی اضافہ ہوتا چلا جارہا ہے۔اب تو یہی دعا ہے۔

زمانے کی ہوائیں ہیں نہایت حوصلہ فرسا
الٰہی بھیج کوئی رہنما صدیق اکبر سا رضی اللہ تعالیٰ عنہ

☆☆☆☆☆☆

اتحاد ملت کی ضرورت وصورت (۸)

پروفیسر محمد حسین آسی

قسط:۸

سرمایہ ملت کے تین نگہبان: اس بات پر غور کیجئے کہ جب گاندھی کی آندھی میں بڑے بڑے عمامے اڑ رہے تھے، تقوی وطہارت کی نمائشیں خس وخشاک کی طرح اس سیلاب میں بہہ رہی تھیں، جب آیات وروایات سے عمر بھر کا تعلق ایک بت پرست پر نثار کیا جارہا تھا، اس وقت ملت کے کام کون آیا اور کس نے گالیاں کھا کھا کر، طعنے سن سن کر الزامات کی بوچھاڑ میں مخالفانہ پراپیگنڈے کے طوفان بلاخیز کا مقابلہ کیا، وہی جو اپنے سچے اللہ کا سچا بندہ اور اپنے سچے رسول (ﷺ) کا سچا غلام تھا، یعنی مولانا شاہ احمد رضا خاں بریلوی قدس سرہٗ القوی، بلاشبہ حضرت اقبال اور حضرت قائداعظم دونوں ہمارے محسن ہیں اور بلاشبہ دونوں اس صورت حال سے پریشان تھے مگر کھل کر اس طوفان کے منہ آنا بہت ہی مشکل تھا۔ اس بہت ہی مشکل کام کیلئے قدرت مجدد بریلوی کا انتخاب کر چکی تھی اور پھر اس مرد قلندر نے اس فریضہ محبت کو اس طرح نبھایا کہ دنیا کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ گاندھی کی آندھی تھم گئی، اس کے عشق میں خود رفتہ ہونے والے لیڈر اور مولوی ذلیل ہو گئے، جس گاندھی کو نبوت کے اوصاف کا حامل قرار دیا جارہا تھا، اس کی اسلام دشمنی واضح ہو گئی، کانگرس جال میں اسلام کے وہی مدعی رہ گئے جن کا اپنے نبی علیہ السلام کے ساتھ محبت کا رشتہ بہت ہی کمزور تھا، اب ملت کے فرزند دشمنوں اور دوستوں کو پہچاننے لگے، کانگرس سے کٹتے رہے اور مسلم لیگ سے ملتے گئے، چنانچہ مسلم لیگ مضبوط ہوتی گئی، پاکستان کی تشکیل کے امکانات روشن ہوتے گئے اور حکیم الامت کے خواب کی تعبیر پوری ہونے لگی۔

ہاں سوچئے اور بار بار سوچئے، شاید اس سے نازک وقت مسلمانوں پر برعظیم پاک وہند کی تاریخ میں پہلے کبھی نہ آیا ہو کہ (معاذ اللہ) اسلام کی جڑیں کاٹنے کی ناپاک کوشش کرنے والے ایک عیار ومکار کو اسلام کا سب سے بڑا خیرخواہ سمجھ لیا گیا، اور دل وجان سے اس کے اشاروں پر اپنی متاع عقل ودانش کو قربان کیا جانے لگا، اس وقت مولانا محمد احمد رضا خاں بریلوی قدس سرہٗ اگر ملت کی رہنمائی بلکہ پاسبانی نہ کرتے تو آج قوم وملک کا نقشہ کیا ہوتا، کون تصور کر سکتا ہے؟ حق یہ ہے کہ حضرت اقبال علیہ الرحمہ نے سیدنا حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کی شان میں جو لکھا ہے کہ

وہ ہند میں سرمایہء ملت کا نگہبان
اللہ نے بروقت کیا جس کو خبردار!

یقیناً اس کے مصداق اول وہی (حضرت مجدد الف ثانی) ہیں مگر مولنٰا احمد رضا خان بریلوی کے دور پر ایک نظر دوڑایئے اور اپنے دور میں جس طرح دشمنان اسلام کے ساتھ جو کھی لڑائی انہوں نے لڑی اور سرمایہ ملت کی نگہبانی کا فریضہ سرانجام دیا، وہ بھی لائق صد تحسین وتبریک ہے یہ سچ ہے کہ مورخین کے نزدیک اگر جلال الدین اکبر کو مزید چار سال مل جاتے تو وہ اس خطے سے اسلام کا معاذ اللہ نام ونشان مٹا دیتا۔ آج برعظیم میں اگر مشائخ کی خانقاہیں موجود ہیں یا مدارس ومساجد کی تعمیر کا سلسلہ جاری ہے، اگر قرآن پاک حدیث پڑھنے والوں کی آوازیں سنائی دیتی ہیں یا اذان وصلوٰۃ کا نظام قائم ہے تو یہ فیضان ہے کہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کا حق یہ ہے کہ برعظیم میں جو شخص بھی اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہے بقول حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی حضرت شیخ مجدد علیہ الرضوان کا احسان مند ہے۔

اسلام پر وہ وقت بھی بڑا نازک تھا جب برعظیم میں مرہٹوں کی قوت بڑھتی ہی جارہی تھی اور مغلیہ سلطنت میں یہ دم خم نہیں تھا کہ ان کا مقابلہ کر سکتی۔ چنانچہ اس

موقع پر اسلام کے بطل جلیل حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی قدس سرہٗ آگے بڑھے اور انھوں نے مجاہد اعظم حضرت شاہ احمد ابدالی رحمۃ اللہ علیہ کو اسلام کے دفاع کیلئے اور مرہٹوں کا زور توڑنے کیلئے مائل کیا۔ خدانخواستہ ایسا نہ ہوتا تو بھی تاریخ سخت المناک ہوتی۔

چند سالوں کے بعد انگریزوں کی سازشوں نے دلّی تک کو اپنی لپیٹ میں لے لیا، انھوں نے فوراً دلّی پر حکومت کا ڈھونگ تو نہیں رچایا البتہ آہستہ آہستہ سارا نظام اپنے ہاتھ میں لے لیا اور مغل بادشاہ ان کا وظیفہ خوار بن گیا ظاہر ہے ایک خوفناک انقلاب آ رہا تھا اور انگریز ایک سوچے سمجھے منصوبے کے مطابق پیش قدمی کر رہے تھے مگر غالب، ذوقؔ اور دوسرے بڑے بڑے شعراء اس وقت موجود تھے، مگر افسوس ان کے کان پر جوں تک نہیں رینگی۔ کتنے تعجب اور دکھ کی بات ہے کہ مسلمانوں کا سب کچھ لٹ رہا تھا مگر لال قلعہ دہلی میں مشاعروں کی گونج تھی۔ ہاں یہ بے چینی حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی قدس سرہٗ تک تو محسوس ہوتی ہے، وہ اشاروں کنایوں میں بات کر جاتے تھے، اسلام کی غیرت بھی ان کے لفظوں سے ٹپکتی ہے، وہ بڑے پادریوں اور ریزیڈنٹوں کو بحث وتحمیص میں مہر بلب بھی کر دیتے تھے۔ اور مخصوص حالات میں جو کچھ کر سکتے تھے، کرتے رہے۔ انھوں نے آخری دور میں یہ بھی بھانپ لیا تھا کہ ان کا اپنا سگا بھتیجا خطرناک سازشوں کا شکار ہو کر ملت اسلامیہ میں فتنہ وفساد پیدا کر رہا تھا اور انھیں اس بات پہ دکھ بھی تھا مگر آنکھوں سے معذور ہونے کی بنا پر وہ زیادہ کچھ نہ کر سکے۔

ہاں غالب اور ذوق جیسے شاعر ''گل وبلبل'' تک ہی محدود اور قوم کو اگر گرمانے کے اہل نہیں تھے تو کچھ نہ کچھ رہنمائی ہی دیتے مگر افسوس ایسا بھی نہ ہوا۔ دلّی میں عربیک کالج انھیں کے زمانے میں شروع ہوا تھا تاکہ یہاں سے میڈان انگلینڈ (Made in England) قسم کے ملا تیار ہوں، مولانا اسمٰعیل اور سید احمد بریلوی کا فتنہ بھی انھی کے زمانے میں پروان چڑھا مگر ان کی شاعری عموماً گل وبلبل تک ہی محدود رہی۔

سچی بات یہ ہے کہ بطور مسلمان رہنما کسی کی عظمت پرکھنے کا معیار میرے نزدیک یہی ہے کہ نازک وقت میں وہ قوم کی مفید رہنمائی کرے اور حسب ضرورت جذبہ قربانی سے معمور کر دے۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی بھی اسی جذبے سے مسلمانوں نے لڑی اور الحمدللہ علمائے حق نے اس وقت بھی قیادت کا حق ادا کر دیا، جس فتوی جہاد پر علمائے اہل سنت نے تصدیقی دستخط کئے تھے وہ رئیس المجاہدین حضرت مولانا فضل حق خیرآبادی علیہ الرحمہ کا لکھا ہوا تھا۔ اس وقت پورے ملک میں اہل سنت تھے اور ان کے علما۔ شیعہ بہت کم تھے اور وہابی تو بھی اگ رہے تھے، ان میں چند وہ جنھیں مولوی اسمٰعیل صاحب نے متاثر کیا اور کچھ وہ جو انگریزوں کے عربیک کالج کے پڑھے ہوئے تھے۔ علمائے اہل سنت کی آواز پر سب اہل محبت میدان میں اتر آئے چنانچہ مختلف علاقوں میں انگریزوں کے خلاف محاذ کھولے گئے اور ہر علاقے کا کمانڈر گویا وہیں کا سب سے بڑا عالم وشیخ تھا، چنانچہ بریلی میں مسلمان مجاہدوں کی قیادت حضرت مولانا احمد رضا خاں بریلوی کے جدِ امجد حضرت مولانا رضا علی خاں صاحب بریلوی قدس سرہ کرتے تھے، مجاہدین ہر محاذ پر بڑی بہادری سے لڑتے رہے مگر جاسوسوں اور غداروں کی سازشوں نے مسلمانوں کو شکست سے دوچار کر دیا۔ پھر وہابیوں کے بقول انگریز کی ''رحمدل گورنمنٹ'' نے انسانیت پر وہ ظلم ڈھائے کہ سن کر ہی رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ مسلمانوں نے جس جوش وجذبہ سے ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی لڑی انتہائی قابل قدر تھا، وجدان یہی کہتا ہے کہ مسلمانوں کا خلوص اور عظیم قربانی بارگاہِ رب العزۃ میں مقبول ہوئی اور انھیں چند مخلص رہنما عطا ہو گئے مثلاً فتوے کے میدان میں حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں بریلوی جنھوں نے شعائر اسلامی کی پاسبانی اور اپنے دور میں سب سے پہلے دوقومی نظریے کو پوری توانائی سے پیش کیا اور علم وفضل کی مسند کو عشق رسول ﷺ سے معطر کیا۔ فلسفہ وشعر کے میدان میں جناب علامہ محمد اقبال جنھوں نے خصوصاً سیکولر انداز کے اساتذہ وتلامذہ میں انقلاب پیدا کیا اور تہذیب جدید میں گھرے ہوئے مسلمانوں کو عشق رسول ﷺ کا سبق ازبر کرایا۔ اور سیاست کے میدان میں حضرت محمد علی جناح جنھیں قوم نے قائداعظم کا لقب دیا، پھر ان تینوں شخصیات نے کئی اور شخصیات تیار کیں اور آخرکار مولانا بریلوی کے ہم خیال علما ومشائخ کی روحانی تگ ودو، حضرت اقبال کے زیر اثر کالجوں اور یونیورسٹیوں سے فارغ ہونے والے نوجوانوں کی گرما گرم مساعی اور حضرت قائداعظم کے ان تھک خلوص سے پاکستان معرض وجود میں آ ہی گیا۔

انگریزوں کی سازشیں: یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مولانا احمد رضا خاں بریلوی قدس سرہٗ کا ذکر خیر بھی کسی حد تک تفصیل سے آ جائے۔ اس کیلئے ذرا پیچھے چلتے ہیں۔ صلیبی جنگوں میں شکست کھانے کے بعد 'عیسائیت' کیلئے سب سے زیادہ دردِ سر 'اسلام' بن گیا وہ اسے صفحۂ ہستی سے (معاذ اللہ) مٹانے کیلئے وقف ہو گئی۔ حقیقت یہ کہ عیسائیوں کو اپنے مذہب کی اشاعت سے بھی ایسی دلچسپی نہیں جتنی دین حق کو معاذ اللہ ختم کرنے سے، اگرچہ اس میں کئی صدیاں لگ جائیں، مگر افسوس جس قدر وہ ہماری دشمنی میں سرگرم ہیں، اسی قدر ہم بے خبر ہیں اور اکثر بے حس ہیں، وہ اپنا ناپاک منصوبہ کس طرح روبعمل کرتے ہیں، اپنے جاسوس بھیج کر، جو 'مسلمان' بن کر مسلمانوں میں تفریق پیدا کریں یا مسلمانوں میں سے کچھ ملا خرید کر۔ جہاں تک جاسوس بھیجنے کا تعلق ہے 'لارنس عربیہ' کے حالات کا مطالعہ کریں یا ہمفرے (جاسوس)

کے اعترافات پڑھ لیجئے۔ کس قدر تعجب کی بات ہے کہ ہمارے نزدیک محمد ابن عبدالوہاب صرف ایک مخصوص فرقے کا بانی ہے جو'توحید' کی آڑ میں اپنے ماننے والوں کے سوا سب کو مشرک سمجھتا ہے، جو انبیاء و رسل علیہم السلام اور اولیاء و صوفیاء کا سخت گستاخ ہے۔ سرسری نظر میں ہم یہی سمجھتے ہیں کہ ایک شخص نے کتاب و سنت کا اپنے انداز میں مطالعہ کیا اور بالآخر گمراہ ہو گیا مگر'ہمفرے'(جاسوس) کے اعترافات کے مطابق اس (ہمفرے) نے بصرہ آکر مسلمانوں میں کسی خود پسند اور مغرور طبع کی تلاش کر دی تو اسے محمد بن عبدالوہاب مل گیا جو اس کام کیلئے پوری طرح فٹ تھا، اس نے اسے سمجھایا اور اس نے عمل کیا گویا کتاب و سنت سے جو'فیض' حاصل کیا محمد بن عبدالواہاب نے ہمفرے کے ذریعے کیا جو اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرتا تھا اور اس سے پہلے سالہا سال ترکی میں کتاب و سنت کی تعلیم حاصل کرتا رہا (جسے بگاڑ کر خود پسند مسلمانوں کو شکار کر سکے)۔

اسی طرح ان کا ایک اور منصوبہ تھا تعلیمی ادارے کھولنے کا۔ اس سلسلے میں اسی مضمون میں آپ کے عربیک کالج دہلی کا ذکر پڑھ آئے ہیں، دینی تعلیم جو مسلمانوں کے مدرسے میں دی جاتی تھی، کئی مسائل کے زیر بار تھی۔ انگریزوں نے بظاہر مسائل حل کئے اور بہ باطن اپنے شارے پر ناچنے والے مولوی تیار کئے۔ اسی کالج کے وائس پرنسپل تھے مولانا مملوک العلی نانوتوی جن کے خصوصی شاگردوں میں محمد قاسم اور رشید احمد گنگوہی بھی تھے۔ یہ ایک عربیک کالج کیا، جب انگریزوں کا سارے ملک پر تسلط ہو گیا تو ان کا نظام تعلیم اسی محور کے گرد گھومتا تھا اسے پڑھ کر مسلمان مسلمان نہ رہیں اور ہندو ہندو نہ رہیں (کیونکہ اس کے مرتب نام نہاد لارڈ میکالے نے اسی مقصد کے تحت اسے مرتب کیا تھا) حضرت اکبرالہ آبادی علیہ الرحمہ نے اسی لئے فرمایا تھا۔

یوں قتل سے بچوں کے وہ بدنام نہ ہوتا!
افسوس کہ فرعون کو کالج کی نہ سوجھی

یہ انداز تخریب انگریزوں کی نگاہ میں اتنا ضروری تھا کہ لندن کے باہر بارہ تیرہ میل کے فاصلے پر انھوں نے ایک عظیم یونیورسٹی کا اہتمام کیا ہوا ہے جہاں تفسیر و حدیث اور دیگر اسلامی علوم مسلمانوں کی یونیورسٹیوں کے نصاب کے مطابق پڑھاتے ہیں اور پڑھنے پڑھانے والوں کی وضع قطع سے سب مسلمان نظر آتے ہیں مگر دراصل سب عیسائی ہوتے ہیں جو مسلمان ملکوں میں جا کر خود کو مسلمان اور جامعۃ الازھر کا فارغ التحصیل ظاہر کرتے ہیں، ان کی ساری توجہ دو باتوں پر ہوتی ہے۔

۱۔ مسلمانوں کے دلوں سے حضور ﷺ کی محبت نکالنا

۲۔ مسلمانوں میں تفریق و انتشار پیدا کرنا

یہ ساری بات نہایت اختصار سے یہاں پیش کی گئی ہے۔ اس کا ماخذ ایک مضمون ہے'جو عیسائیت کی خفیہ سرنگ' کے نام سے غالباً ماہنامہ اردو ڈائجسٹ لاہور غالباً نومبر ۱۹۹۲ء ماہنامہ ساحل بابت مارچ ۱۹۹۳ء ماہنامہ''الحقیقہ'' مارچ ۲۰۰۱ء بابت میں شائع ہوا تھا۔

انگریزوں کی ایک خاص خطرناک سازش:

مولانا سید اشرف علی صاحب گلشن آبادی کا تعلق ہندوستان کے شہر ناسک مہاراشٹر سے ہے انہوں نے تقریباً سو سال پہلے ۱۸۴۸ء میں ایک کتاب تحریر فرمائی تھی جس میں مولانا موصوف نے زر خرید مولویوں کے مکر و فریب کو بے نقاب کیا ہے اس کتاب میں موصوف نے انگریزوں کی ایک نہایت سنگین خطرناک سازش کا انکشاف فرمایا ہے وہ اپنی اس کتاب میں ایک مولوی کا واقعہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''ایک معتبر عالم دین ساکن اکبرآبادی فرماتے ہیں کہ جب میں دہلی سے کچھ علم عربی تحصیل کر کے کلکتہ میں گیا، اور وہاں بھی کچھ حدیث و تفسیر کا فائدہ علماء دین سے حاصل کیا، تب ایک انگریز پادری صاحب نے جو بہت عربی فارسی میں قابل ہیں اور بہت سے لکھنوی مولوی ان کے نوکر ہیں۔ مجھے بلایا اور پچاس روپیہ ہوا ماہوار کر کے ایک مہینے پیشگی دیا اور کہا

''جس شہر میں تمہاری طبیعت چاہے رہو اور ہندی ترجمہ حدیث و تفسیر کا لوگوں کو پڑھایا کرو اور ایسا مشہور کرو کہ محدثوں کا مذہب حق ہے اور میں اس کا تابعدار ہوں۔ مگر ہرگز علم صرف و نحو اور فقہ عقائد و کلام وغیرہ مت پڑھانا اور یہ پچاس روپیہ تم کو ہمیشہ ماہوار ملا کرے گا اور تمہاری نیک خدمتی اور محنت کے موافق زیادہ ماہوار ہو جائے گا اور چند قاعدے فلانے فلانے مولوی کے ہاتھ ہم تم کو بھیج دیں گے'' تب دوسرے دن فلانے مولوی میرے گھر آئے اور مجھ سے کہنے لگے۔

''تم بھی ہمارے انگریز پادری کے نوکر ہو گئے؟ الحمد للہ بہت اچھا ہوا، قریباً چالیس اچھے نامور مولوی اطراف ہندوستان اور عربستان وغیرہ میں ان کے مخفی نوکر ہیں اور کئی عربستان میں جا پہنچے ہیں، اور دس پندرہ روپیہ ماہوار سے پچاس روپیہ تک ہر ایک کی تنخواہ مقرر ہے جہاں رہیں ماہ بہ ماہ ان کو ملتی ہے اور بڑا فائدہ یہ ہے کہ ہمیشہ نئی باتیں اور ضعیف حدیثیں اور روائتیں لوگوں میں ظاہر کرنا اور اپنے شاگردوں کا سکھانا تا کہ چاروں مذہبوں، مذہب حنفی، شافعی، مالکی اور حنبلی سے منہ موڑیں اور

مسلمانوں کا اجتماع واتفاق دینی بالکل ٹوٹ جاوے۔اور انبیاءواولیاء سے بداعتقاد ہوجاویں اوران کی نیاز وفاتحہ چھوڑ دیویں" میں نے کہا استغفراللہ یہ شیطانی کام مجھ سے نہ ہوگا"

انگریز کے نوکر مولوی صاحب نے کہا

"بیس برس سے پادری صاحب یہاں آئے ہیں۔تب سے ان کا نوکر ہوں، ہزاروں روپے دے کر انھوں نے ترجمہ کی کتابیں چھپوائیں اوران کے طفیل بہت سے بے علم ،مولوی قابل بن گئے ہیں، اب مسلمان محمدی (یعنی وہابی اہلحدیث) ہیں اور بدعتی لوگوں (یعنی سنی مسلمانوں) کے بڑے دشمن ہیں تفسیر حدیث کا علم میں نے ان کو پڑھایا ہے تم بے فکر ہو کر یہ پچاس روپیہ کا ماہوار قبول کرلو اور تم اپنے وطن میں خواہ اور کسی شہر میں جاکر رہو۔ساری عمر فراغت سے گزارو مگر کتنے آدمی تمہاری طرف پھرے۔تمہارے مرید شاگرد بنے اس کی رپورٹ ہر برس لکھ کر بھیجا کرو اچھے اچھے نامی گرامی مولوی پادری صاحب کا ماہوار کھاتے ہیں اور اکثر ہندوستان کے نامی شہروں میں موجود ہیں ،اور یہ ان کے ناموں کی فہرست ہے"

میں نے فہرست کو دیکھا تو اچھے اچھے نامور خاندانی مولوی خود کو سید احمد صاحب کا جھوٹا خلیفہ مشہور کر کے مسلمانوں کو گمراہ کرتے ہیں اور اپنا مرید شاگرد بناتے ہیں، بیشتر رافضی اور خارجی لوگ ماہوار کی طمع سے نائب دجال کا پیشہ اختیار کیے ہوئے ہیں۔ مجھے اللہ تعالیٰ نے اس وقت ہدایت دی اور کہا "اگر پادری صاحب ہزار روپیہ بھی ماہوار دیں گے تو یہ کفر اور ایسی نوکری مجھ سے نہ ہوسکے گی" اگر چہ اس وقت میرا دل بہت نرم ہوگیا تھا کہ "بے محنت پچاس روپیہ ماہوار ملتے ہیں ،قبول کرلوں مگر اللہ نے مجھے بچایا" (منزل کی تلاش از جناب محمد نجم مصطفائی)

یہ تھیں اسلام کو معاذ اللہ مٹانے کیلئے انگریزوں کی بعض ہولناک سازشیں ،مسلمانوں کو بظاہر عیسائی نہیں بنایا جارہا بلکہ اسلام کے اندر رہ کر ہی نئے مذاہب اور نئے مسائل کو مروج ومتعارف کرایا جارہا ہے تاکہ مسلمان آپس میں لڑتے مرتے رہیں اور یوں ایک ملت میں کئی ملتیں پیدا ہوجائیں ،عوام بلکہ بہت سے خواص کو بھی اس کا کہاں علم تھا کہ نئے نئے مذاہب جو صدی ڈیڑھ صدی پہلے پیدا ہوئے پادریوں کی ہدایت کے مطابق ہیں اور مولوی ان کی قیمت پہلے وصول کر چکے ہیں۔

اعلیحضرت: نئے نئے مذاہب بنتے گئے ،جھگڑے اور فساد بڑھتے گئے ،جس وقت بالخصوص باہمی محبت ومروت کی شدید ضرورت تھی ،اسی وقت قوم کو ایک لاعلاج قسم کے افتراق وانتشار میں الجھادیا گیا۔اس دور میں جس شخصیت نے قوم کی رہنمائی کا حق ادا کیا وہ تھے اعلیحضرت مجدد ملت مولانا شاہ احمد رضا خاں بریلوی قدس سرہٗ وہ دین جو ایک؟ تواتر کے ساتھ اہل بیت اطہار اور صحابہ کرام رضی اللہ عنھم سے تابعین، تبع تابعین ،مجتہدین ،مجددین کے ذریعے موجودہ دور تک پہنچا تھا،اعلیحضرت نے اسی کو مضبوطی سے تھاما اور دوسروں کو تھامنے کی تلقین کی، کتنے غضب کی بات ہے جن لوگوں نے دین میں نئی نئی راہیں نکالیں اور جو فکر وعمل کے اعتبار سے سرتاپا بدعت میں ڈوبے ہوئے تھے ،انھوں نے الٹا فاضل بریلوی پر بدعتی ہونے کا الزام لگایا اور پھر پورا زور ان کی آواز دبانے پر صرف کردیا، یہ الگ بات ہے مرد مجاہد نے کسی طرف دھیان نہ کیا اور عشق ومستی کی جس راہ پر چل رہا تھا، چلتا رہا،اللہ کے فضل وکرم پر بھروسہ کیا اور حضور پرنور ﷺ کی دہائی دیتے ہوئے آگے بڑھتا گیا۔یعنی وہی صورتِ حال

عرفی تو میندیش زغوغائے رقیباں
آواز سگاں کم نہ کند رزق گدا را

آپ نے اوپر پڑھ لیا، گاندھی جیسے مکار، بت پرست اور اسلام دشمن کی تعریف میں "فرزندان توحید" کس طرح زمین وآسمان کے قلابے ملا رہے تھے اور کس طرح اس کی اطاعت کو فرض قرار دیا جارہا تھا۔اعلیحضرت قدس سرہٗ نے فراست مومنانہ سے اس کی حقیقت پہچانی اور کتاب وسنت کی روشنی میں اسے بے نقاب کیا اور یقیناً ملت اسلام کی یہ ایک عظیم خدمت تھی، مگر اعلیحضرت کا یہی کارنامہ نہیں کہ گاندھی کے ناپاک عزائم کو منظر عام پر لائے بلکہ جو مولوی اس کے دام فریب میں آکر بہکی بہکی باتیں کرتے تھے،انھیں 'فرقہ گاندھویہ، کا نام دے کر رسوا وذلیل کیا۔

گاندھی کی آندھی کے دوران یہ بات بھی اچھالی جاتی رہی کہ ہندوؤں کو خوش کرنا دراصل رب کو خوش کرنا ہے،اس جھوٹے اصول کے تحت گائے بیل کی قربانی کو موقوف کرنے کی ناپاک کوششیں شروع ہوئیں، ظاہر ہے اس مسئلے کا تعلق کسی ایک فرقے سے نہیں تھا کہ سنی اس سے بے تعلق ہوں یا دیوبندی ہی اس سے متعلق ہوں، اس کا تعلق تو شعائرِ اسلام سے تھا اور اس کی حفاظت سب مسلمان کہلانے والوں پر لازم تھی مگر شاہ محمد احمد رضا خاں بریلوی قدس سرہٗ کے سوا کسی دوسرے مذہب کے

نمائندے نے اپنی غیرت ملی وایمانی کا ثبوت نہیں دیا۔ خدانخواستہ اگر مولانا موصوف بھی میدان میں نہ در آتے یا آپ بھی خاموش رہتے تو کیا صورتِ حال ہوتی اور دھیرے دھیرے اسلام کے کس کس شعار پر دشمنوں کا وار نہ چلتا حضرت کے سمجھانے کے باوجود، وہی ہوا جو حضرت اقبال نے فرمایا

کہ جن کو ڈوبنا ہو، ڈوب جاتے ہیں سفینوں میں

ہاں ہاں جنھیں بہر حال ڈوبنا تھا، وہ ڈوب گئے، باقی قوم بچ گئی، کہنا تو یہ ہے اسلامی عقائد میں توحید سے زیادہ اسبق واہم کونسا عنوان ہے مگر یار لوگ ایک 'بت پرست' کو امام بنا کر اسے بھی نظر انداز کر گئے، جو لوگ "قیام میلاد" کو بھی شرک سمجھتے تھے، انھوں نے گاندھی کی تصویر کیلئے قیام کیا اور اس کی مورتیوں سے گھروں کو سجایا، 'تحریک خلافت' خالص اسلامی مسئلہ تھا یعنی مسلمان ترکی کی اسلامی خلافت کو دوبارہ زندہ اور نافذ کرنا چاہتے تھے، مگر انگریز گورنمنٹ سے 'عدم تعاون' بھی اسی کا ضمیمہ تھا مگر یار لوگوں نے اس کی قیادت کیلئے بھی گاندھی کو چنا اور وہ بدنصیب اسی قسم کے نام نہاد 'مسلمان' عاشقوں کی حمایت سے اس قسم کے پروگرام بناتا رہا جس سے اسلام اور فرزندان اسلام کو نقصان پہنچے۔ کتنا غضب ہے ہندوؤں کے پونے دوسو کے قریب کالج تھے اور مسلمانوں کے برصغیر میں صرف تین۔ مگر گاندھی کا 'عدم تعاون' انہیں تین کالجوں کو بند کرانے کے درپے رہے، ہندوؤں کے کالجوں کی بندش سے اسے کوئی سروکار نہیں تھا، ابوالکلام آزاد اور محمود الحسن جیسے ملا اسی کے آلہء کار بن کر انھیں مسلمان اداروں کے پیچھے پڑھے رہے،

اسی طرح ہندوستان کو دارالحرب قرار دے کر مسلمانوں کو یہاں سے ہجرت کا سبق دیا گیا مقصود یہ تھا۔ مسلمان یہاں اپنی ہزاروں لاکھوں کی جائیدادیں ہندوؤں کے ہاتھ سستے داموں بیچ کر یہاں سے نکل جائیں، چنانچہ یوں ہی ہوا بہت سے مسلمان اس جال میں آگئے، ہجرت کر کے افغانستان گئے مگر وہاں کی حکومت نے قبول نہ کیا تو واپس آگئے مگر ہندوؤں نے خریدی ہوئی جائیداد واپس کرنے سے انکار کر دیا۔ اعلیحضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں بریلوی قدس سرہ دشمنوں کی نیت پہلے سے بھانپ چکے تھے اور ان کے فریب کو بے نقاب کر چکے تھے انھوں نے ہر موڑ پر ملت اسلامیہ کو اس کے ازلی دشمنوں کی سازشوں سے بچانے کی کوشش کی اور بہت حد تک کامیاب بھی ہو گئے، تاریخ گواہ ہے جب ابوالکلام آزاد اور محمود الحسن دونوں نے اسلامیہ کالج لاہور کا رخ کیا اور اسے بند کرانے کی کوششوں کا آغاز کیا کالج چلانے والی انجمن حمایت اسلام کے جنرل سیکرٹری علامہ اقبال علیہ الرحمہ تھے، طے یہ ہوا کہ ایسے علماء سے فتویٰ لیا جائے جو گاندھی کے زیر اثر نہ ہوں تو اعلیحضرت فاضل بریلوی سے رجوع کیا گیا، آپ کے فتویٰ کی بدولت اسلامیہ کالج لاہور ہی نہ بچا اور کالج اور سکول بھی محفوظ ہو گئے،

اس سے پہلے انگریز حکومت نے کانپور میں ایک مسجد کا شرقی حصہ جس میں غسل خانے وغیرہ تھے گرا کر سڑک کو وسیع کرنا چاہا تو مسلمانوں نے احتجاج کیا، حکومت نے کوئی پرواہ نہ کی بلکہ وہ سب گرا دیا جو گرانا چاہتی تھی اور جسے مسلمان ناروا سمجھتے تھے، اب پرزور احتجاج ہوا تو انگریزوں نے فائر کھول دیا جس سے بیسوں مسلمان شہید ہو گئے۔ لاتعداد مسلمان جیلوں میں بند کر دیئے گئے اور ان پر فوجی عدالت میں مقدمہ چلایا گیا، اس پر تمام مسلمان پریشان ہو گئے اور تحریک دوسرے شہروں تک بھی پھیل گئی، آخر کار ۱۴ اکتوبر ۱۹۱۳ء کو مولانا عبدالباری اور چند دیگر معززین نے لیفٹیننٹ گورنر سے چند شرائط پر صلح کر لی جن میں سے ایک یہ تھی 'چونکہ مسجد کی سطح زمین سے کئی فٹ بلند ہے اس لئے جس جگہ غسل خانے واقع تھے، وہ بدستور تعمیر کر لئے جائیں گے لیکن نیچے کی زمین پر فٹ پاتھ بنا دیا جائے تا کہ راہ دار اس پر سے گزر سکیں'۔ چونکہ مولانا عبدالباری نے اسلامی فقہ کے مسلمہ اصول "وقف بالعوض یا بلاعوض قابل انتقال نہیں کی صریح خلاف ورزی کی تھی، اس پر انھیں علماء حق نے آڑے ہاتھوں لیا، مگر اس سلسلے میں سے مدلل اور مضبوط فتویٰ اعلیحضرت بریلوی قدس سرہٗ ہی کا تھا، اس فتوے کی زد انگریزوں سے صلح کرنے والے مولویوں اور لیڈروں پر ہی نہیں پڑتی تھی، بلکہ غاصبوں کی باطل حکومت بھی اس کی زد میں آتی تھی۔ اسے عشقِ صادق کا کرشمہ ہی کہا جاسکتا ہے کہ اس کے بعد حاکمانِ وقت کو بھی اس قسم کی کارروائی کی جرات نہیں ہوئی اور پھر کبھی کسی سڑک کو وسیع کرنے کیلئے مسجد کے کسی حصے کو مسمار نہیں کیا گیا۔

یہ تھے مجدد ملت حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں بریلوی قدس سرہٗ جنھوں نے انتہائی ناخوشگوار حالات میں بھی ملت کی رہنمائی کی اور نہایت پامردی سے سرمایہ ملت کی پاسبانی کا مقدس کا فریضہ انجام دیا، یار لوگوں کو ان کی یہی استقامت نہیں بھائی اور انھوں نے ان کو ملت کا عظیم محسن وقائد ماننے کی بجائے ایک تنگ خیال انتشار پسند ملا کے طور پر پیش کیا، جن لوگوں نے کبھی انگریزوں اور کبھی ہندوؤں کے دست باطل پرست پر بیعت کی اور ہر اس موڑ پر جہاں ملت کے فائدے کی صورت دکھائی دی، مخالفت پر اتر آئے، انھیں قوم کا 'ہیرو' بنا دیا گیا اور جنھوں نے انگریزوں، ہندوؤں اور تمام اسلام دشمنوں کے خلاف جہاد کیا، انھیں ایک فرقے تک محدود رکھ دیا گیا، کاش ملت بیدار ہوتی اور جس طرح پاکستان میں یوم اقبال، یوم قائد اعظم وغیرہ منا کر اپنے محسنوں کو خراج عقیدت پیش کیا جاتا ہے یونہی اپنے دور کے اس محسن

درس قرآن

تیرے خُلق کو حق نے عظیم کہا

غلام مصطفےٰ مجددی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ارشادِ خداوندی ہے

اور بے شک تم خلق عظیم (کے اعلیٰ مرتبے) پر فائز ہو۔ (سورۃ القلم)

اشارات

☆......یہ آیت کریمہ حضور سراپا نور ﷺ کی عظیم الشان نعت ہے جس میں آپ کی شان و عظمت کے ہزاروں جہان جلوہ فرما ہیں۔

☆......حضرت امام راغب اصفہانی علیہ الرحمہ نے مفردات میں "خلق" کی تعریف کرتے ہوئے ارقام فرمایا حص الخلق با لقوی والسجا یا المدرکة بالبصیرة خلق، انسان کی باطنی اوصاف وکمالات کا نام ہے جن کا چشم بصیرت کے ساتھ احساس ہوتا ہے۔

☆......حضرت عبداللہ بن مبارک رضی اللہ عنہ نے نہایت جامع تعریف کی ہے، ھو اطلا قه الوجه و بذل المعروف و كف الاذیٰ یعنی انسان کا خندہ پیشانی، بھلائی سے پیش آنا اور کسی کو اذیت دینے سے باز رہنا۔

☆......حضرت امام غزالی قدس سرہٗ العالی فرماتے ہیں کہ خلق نفس کی ہیت راسخہ کا نام ہے۔ جس سے تمام کام بلا تکلف صادر ہوتے ہیں اگر یہ کام عقلی اور شرعی طور پر قابل تعریف ہوں تو خلق حسن اور اگر قابل گرفت ہوں تو خلق بد کہلاتے ہیں۔ (احیا العلوم)

☆......اس آیت کریمہ کی روشنی میں حضور پرنور ﷺ کی سیرت طیبہ کا جلی عنوان "خلق عظیم" دکھائی دیتا ہے۔ جن اخلاق اور باطنی اوصاف کو قرآن پاک نے نازل ہو کر سراہا، وہ نزول سے پہلے ہی آپ میں بدرجہ اتم موجود تھے۔ مثلاً قرآن پاک نے صدق و امانت کی تعریف کی تو حضور ﷺ اس جاہلی معاشرے میں پہلے ہی سے صدق و امانت کا شہکار تھے۔ بڑے سے بڑا دشمن بھی آپ کے صدق و امانت کی قسم اٹھاتا تھا۔

☆......انک میں تاکید پائی جاتی ہے، لعلی کے لام میں بھی تاکید ہے۔ یعنی اس میں کوئی شک وابہام نہیں پایا جاتا۔ آپ کے ظاہری وباطنی اوصاف ساری کائنات سے عظیم ہیں۔

☆......لعلی میں استیلا پایا جاتا ہے۔ یعنی حضور پرنور ﷺ "خلق عظیم" پر پوری طرح غالب ہیں، حضرت امام فخر الدین رازی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں اس کا یہ مطلب ہے کہ خلق عظیم کو حضور ﷺ کے ساتھ وہی نسبت حاصل ہے جو غلام کو آقا کے ساتھ اور مامور کو اپنے امیر کے ساتھ حاصل ہے۔ (تفسیر کبیر) گویا عابد اپنی عبادت کا محتاج ہے، عالم اپنے علم کا محتاج ہے، عابد، عبادت کی وجہ سے عابد اور عالم، علم کی وجہ سے عالم کہلاتا ہے۔ جبکہ حضور پرنور ﷺ کے ساتھ ایسا معاملہ نہیں، عبادت اور علم وفضل آپ کی بارگاہ عالی میں قبولیت حاصل کرنے کیلئے دست بستہ کھڑے ہیں، عبادت وہی عبادت ہے جسے حضور اقدس ﷺ کے مطابق کیا جائے، فرمایا صلوا كما رایتمونی اصلی، نماز ایسے پڑھو جیسے مجھے پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو، اسی طرح علم وہی علم ہے جسے بارگاہ مصطفےٰ سے درجہ قبول نصیب ہوا ہے۔

☆......جس طرح غلام ہر طرح سے اپنے آقا کا پابند ہے، اور مامور ہر لحاظ سے اپنے امیر کا محتاج ہے اسطرح خلق عظیم ہر طرح اور ہر لحاظ سے حضور انور ﷺ کا پابند اور محتاج ہے، سب سے بڑی عبادت نماز ہے، اگر منافقین کی طرح نماز کو حضور اقدس ﷺ کے مقابلے میں لا کر کھڑا کر دیا جائے تو وہ نماز بھی مردود ہے، وہ مسجد بھی مردود ہے، ایک شخص نے جہاد کیا لیکن حضور ﷺ کے قانون کی خلاف ورزی کر کے خودکشی پر راضی ہو گیا، وہ جہنم میں چلا گیا، دوسری طرف حضور اقدس ﷺ کے آرام کیلئے نماز

عصر قضا کردی گئی تو وہ قضا بھی تمام ادا ہونے والی نمازوں کا قبلۂ مقصود بن گئی۔

☆......آدمی اپنے علم اور عمل سے پہچانا جاتا ہے۔ لیکن علم اور عمل حضور کی وجہ سے پہچانے جاتے ہیں۔

☆......اللہ تعالیٰ نے حضور اقدس ﷺ کے علم کو بھی عظیم کہا، "و علمك ما لم تكن تعلم و كان فضل الله عليك عظيماً" اور آپ کے عمل کو بھی عظیم کہا "و انك لعلى خلق عظيم" گویا حضور ﷺ کا علم بھی عظیم ہے اور عمل بھی عظیم ہے۔

☆......جس خوش نصیب کو بھی اس محبوب عظیم کے ساتھ نسبت ہوگئی وہ عظیم ہوگیا،

☆......حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنھا سے حضور پر نور ﷺ کے خلق کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا" خلقه ﷺ كان القرآن " یعنی آپ کا خلق قرآن ہی تو ہے۔ (مسلم شریف)

☆......یعنی قرآن پاک الحمد سے لے کر والناس تک حضور ﷺ کے کمالات و مقالات معجزات و خصوصیات اور محامد و محاسن کی روشن داستان ہے۔

☆......قرآن پاک میں ہر چیز کا علم ہے۔ ہر خشک و تر کا بیان ہے۔ ہر صغیر و کبیر کا ذکر ہے۔ حضرت امام سیوطی علیہ الرحمہ نے لکھا ہے، قرآن جمیع احوال پر مشتمل ہے۔ (الاتقان) تو ماننا پڑا کہ جمیع احوال اور جمیع علوم حضور ﷺ کے خلق عظیم میں جلوہ گر ہیں۔

☆......یہ دنیا کتنی وسیع و عریض ہے۔ سائنس اپنی تمام تر محشر سامانیوں کے باوجود اس کا احاطہ نہیں کر سکی۔ لیکن اللہ تعالیٰ فرماتا ہے،" متاع الدنيا قليل" دنیا کی متاع تو بالکل تھوڑی سی ہے۔ گویا جس کو اللہ "قلیل" فرمائے اسکا کوئی احاطہ نہیں کر سکتا تو جسکو "عظیم" فرمائے اس کا کون احاطہ کر سکتا ہے، اللہ تعالیٰ نے اپنی کبریائی کو عظیم کہا ہے یا محبوب کی مصطفائی کو عظیم کہا ہے۔

☆......تمام علماء امت کا اتفاق ہے کہ حضور پر نور ﷺ کے اوصاف و کمالات کا احاطہ نہیں ہو سکتا بالآخر یہی کہنا پڑتا ہے ۔

لا يمكن الثناء كما كان حقهٗ
بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

☆......اب یہ انسان کے سوچنے کی بات ہے کہ جو رسول، خدا تعالیٰ کے بعد بزرگ ترین ہے، خدا کا نائب اکمل اور خلیفۂ اعظم ہے، اس کے علم کا کیا عالم ہوگا، اس کی قوت کا کیا عالم ہوگا، اس کی نظر کا کیا عالم ہوگا، اور اس کے حسن کا عالم ہوگا، کیا وہ ساری مخلوق میں بے مثال ہوگا یا ایک عام سا بشر ہوگا؟

سیدنا صدیق عتیق

عشق ہستی کے امام اعظم و اکبر عتیق
بعد نبیوں کے ہیں سب سے افضل و برتر عتیق
سرور کونین ہیں بے شک رسول ہاشمی ﷺ
ہیں رسول پاک کے اصحاب کے سرور عتیق
جن کو فرمایا امن الناس خود سرکار نے
ہیں وہی سرکار کے سب سے بڑے چاکر عتیق
مصطفےٰ مرآت حق ہیں اور یہ مرآت رسول ﷺ
مصطفےٰ مظہر خدا کے آپ کے مظہر عتیق
جن کو فرمایا گیا السابقون الاولون
بالیقین ان سب سے بھی ہیں اسبق و اظہر عتیق
کرتی ہے شان ان کی دیکھئے اللہ کے قرآن میں
اکرم و اتقیٰ یعنی اقدم و اطہر عتیق
ان کی عظمت کا تصور ہے محال است و جنوں
رب کہے ذوالفضل جن کو اور پیغمبر عتیق
بے ادب ان کا نہیں ہو سکتا کوئی حیدری
جب ہیں ممدوح زبان حضرت حیدر عتیق
ان کے ساتھ اللہ بھی، اللہ کا محبوب بھی ﷺ
کیوں نہ ہوں پھر حکم 'لا تحزن' سے بہرہور عتیق
ملت بیضا ہے اب ظلمات میں کھوئی ہوئی
ہو ادھر بھی اک تجلائے رخ انور عتیق
نقش لا ثانی کا صدقہ ، اک نگاہ مرحمت
بیشک آسی بھی گدا ہے اے گدا پرور عتیق

پروفیسر محمد حسین آسی

درس حدیث

غلام مصطفیٰ آسی

تیری خلق کو حق نے جمیل کیا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حدیث مصطفوی ھے!

اے اللہ! میرے دل میں نور کردے، میری آنکھوں میں نور کردے، میرے کانوں میں نور کردے، میرے دائیں نور کردے، میرے بائیں کردے، میرے آگے نور کردے، میرے پیچھے نور کردے، میرے اوپر نور کردے، میرے نیچے نور کردے، میرے لئے نور کردے، یا فرمایا مجھے (سراپا) نور بنادے (مسلم، کتاب صلوٰۃ المسافرین)

اشارات

☆......یہ حدیث مبارک حضور پرنور ﷺ کی خلق جمیل کی بہترین آئینہ دار ہے۔

☆......حضرت امام راغب اصفہانی قدس سرہٗ نے خلق کے بارے میں لکھا ہے، خص الخلق بالھیة والاشکال والصور المدرکة بالبصر، خلق کا اطلاق ظاہری ہیت، اور ان شکلوں اور صوتوں پر ہوتا ہے، جن کو آنکھ سے دیکھا جاسکے، (المفردات ص ۱۵۸)

حضرت امام ابن اثیر جزری علیہ الرحمہ فرماتے ہیں، الخلق لصورته الظاھرہ و اوصافھا و معانیھا یعنی خلق ظاہری صورت اور اسکے ظاہری اوصاف کے ساتھ مختص ہوتی ہے، (نہایہ جلد ۲ ص ۷۰)

☆......خلق کا یہی معنی مولانا ابن منظور افریقی علیہ الرحمہ نے بیان کیا ہے۔ (لسان العرب)

☆......مذکورہ بالا حدیث مبارک میں حضور پرنور ﷺ کی ایک مشہور دعا کا ذکر ہے۔ جو صحیح بخاری شریف میں بھی موجود ہے۔ اس دعائے نور کا مفادیہ ہے کہ حضور پرنور ﷺ کا ظاہر وباطن نور علیٰ نور ہے۔

☆......ایک روایت کے الفاظ ہیں "اعظم لی نوراً" یعنی مجھے عظیم نور کردے۔ (مسلم شریف)

☆......ایک راوی غندر نے بیان کیا کہ "قال و اجعلنی نوراً لم یشك" کہا مجھے نور بنادے اور اس میں کوئی شک نہیں۔ (مسلم شریف)

☆......ایک اور روایت ہے، "وفی نفسی نوراً" اے اللہ میرے اندر نور پیدا کر دے۔ (مسلم شریف)

☆......ایک اور روایت ہے۔"اللھم اعطنی نوراً" اے اللہ مجھے نور عطا کردے۔ (مسلم شریف)

☆......اس حدیث پاک کی شرح میں حضرت امام ابن حجر عسقلانی قدس سرہٗ فرماتے ہیں تحقیق یہ ہے کہ نور کی جس عضو کی طرف نسبت ہے، اس عضو کا اس کے مناسبات کیلئے مظہر ہونا مراد ہے۔ یعنی سمع کا نور یہ ہے کہ وہ مسموعات کا مظہر ہوجائے، بصر کا نوریہ ہے کہ وہ مبصرات کیلئے کاشف ہوجائے، قلب کا نور یہ ہے کہ وہ معلومات کیلئے کاشف ہوجائے۔ اعضا کا نور یہ ہے کہ ان سے عبادات صادر ہوں۔

(فتح الباری شرح بخاری جلد ۱۱ ص ۱۱۸)

☆......حضرت امام علی قاری علیہ الرحمہ فرماتے ہیں "نور سے مراد نور حسی اور نور معنوی دونوں معنیٰ مراد لیے جاسکتے ہیں۔ اس ارادہ سے کوئی امر مانع نہیں لہذا خوب غور کرنا چاہئے، (مرقاۃ شرح مشکوۃ جلد ۳ ص ۱۲۵)

☆......بخاری ومسلم کی اس حدیث صحیح کے ہوتے ہوئے بھی کوئی آپ ﷺ کو "نور"

نہ مانے تو بڑے افسوس کی بات ہے، اگر چہ اس نور سے مراد نور ہدایت نور بیان اور نور حق بھی ہے، لیکن علما امت نے اس کو "نور حسی" کی دلیل بھی ٹھہرایا ہے۔ گویا اس سے آپ کے خُلق کی نورانیت اور خَلق کی نورانیت واضح ہو رہی ہے۔

☆......اگر کوئی اعتراض کرے کہ اس دعائے نور سے پہلے تو حضور ﷺ نور نہیں تھے، ہم جواباً عرض کرتے ہیں کہ اولاً، اس کے بعد نور ہو گئے تو پھر تمہیں چاہیے کہ اب ان کی نورانیت بیان کیا کرو، اب ان کو اپنے جیسا بشر کہنا اور ان کی نورانیت کا بالکل انکار کر دینا حقائق کے خلاف ہے۔ ثانیاً، علما امت کے نزدیک ایک دعا حصول نعمت کیلئے ہوتی ہے اور ایک دعا دوام نعمت کیلئے ہوتی ہے، حضور ﷺ کی اپنے متعلق یہ دعائے نور دوام نعمت کیلئے ہے۔ یعنی حضور ﷺ حسی اور معنوی اعتبار سے نور اعلیٰ نور تھے، اب اس نعمت عظمیٰ کے دوام اور شکر رب الانام کیلئے دعا فرما رہے ہیں، حضرت امام ابو عبداللہ دشتانی قدس سرہٗ فرماتے ہیں۔

"ان احادیث میں" جن دعاؤں کا ذکر ہے، اور بعد والی احادیث میں جن دعاؤں کا ذکر ہے اگر تو یہ تعلیم امت کیلئے ہے تو بالکل واضح ہے، ورنہ حضور ﷺ نے یہ دعائیں اپنے مقامات کی ترقی کیلئے مانگی ہیں، لان الجمیع قد جعل له ﷺ وہ اس لئے کہ یہ سب مقامات آپ کو پہلے بھی حاصل تھے، (اکمال المعلم جلد ۳ ص ۳۹۱)

☆......اگر منکرین نور مصطفےٰ کا یہ اعتراض درست ہو تو پھر حضور ﷺ کی سب دعاؤں کا عجیب مفہوم اخذ ہوگا، مثلاً آپ دعا کیا کرتے تھے، اھدنا الصراط المستقیم اے اللہ ہمیں سیدھے راستے پر چلا، تو آپ کیا پہلے سیدھے راستے پر نہیں تھے، اگر نہیں تو یہ علیٰ صراط المستقیم کے حکم قرآنی سے متصادم ہوگا، اور منصب نبوت کے منافی ہوگا، حضور پہلے بھی صراط المستقیم پر تھے تو پھر یہ دعا حصول صراط مستقیم کیلئے نہیں ہوگی، دوام صراط مستقیم کیلئے ہوگی اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اظہار تشکر کی دلیل قرار دی جائے گی۔

☆......حضور ﷺ کا نور تخلیق اول ہے، اول ما خلق اللہ نوری یعنی سب سے پہلے اللہ تعالیٰ میرا نور پیدا فرمایا۔ اس حدیث پاک کو منکرین نور مصطفےٰ کے بڑے بڑے علما نے بھی تسلیم کر چکے ہیں۔ اب اس نور کے دوام کیلئے التجا کی جا رہی ہے یعنی مولا مجھے نور بنایا ہے تو نور ہی رکھنا، اسی کا نام اظہار عبدیت ہے۔

☆......حضور پرنور کے تمام ظاہر باطن کو اللہ تعالیٰ نے نور بنایا ہے۔ جو اجعلنی نوراً سے ثابت ہے، حضور ﷺ نور کے ساتھ دیکھتے ہیں، نور کے ساتھ سنتے ہیں، نور کے ساتھ چلتے ہیں نور کے ساتھ سوچتے ہیں، نور کے ساتھ تصرف کرتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ آپ جس خطہ زمین میں اپنا قدم رکھتے ہیں وہ حصہ آپ کے نور سے روشن ہو جاتا ہے، (جواہر البحار جلد ۲ ص ۶۱)

اہل نور و بیت نور و بلد نور
جانکہ آمد محمد کرد نور

☆......اسکی اور بھی متعدد مثالیں احادیث صحیحہ میں وارد ہیں، مسکراتے ہوئے دانتوں سے نور ظاہر ہوتا، اور گھر روشن ہو جاتے، اور چہرہ انور کی شعاعوں سے دیواریں روشن ہو جاتیں، بغلوں سے نور کی سفیدی کا ہوتا ہے۔ اس پر تمام کا اتفاق ہے کہ آپ کا سایہ نہیں تھا کیونکہ آپ ﷺ نور ہیں۔ اس حقیقت کو مولانا رشید احمد گنگوہی نے بھی تسلیم کیا ہے،

☆......مولوی قاسم نانوتوی نے بھی لکھا ہے۔

تو آئینہ ہے کمالات کبریا کا
وہ آپ دیکھتے ہیں اپنا جلوہ دیدار (قصائد قاسمی ص ۶)

☆......حضور ﷺ کی خلق جمیل کی کوئی مثال نہیں، آدم اور یوسف جیسے حسین و جمیل بھی اسی آفتاب نور کی کرنیں ہیں، حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے کیا خوب کہا ہے،

خلقت مبرا من کل عیب
کانك قد خلقت کما تشاء
واجمل منك لم ترقط عینی
احسن منك لم تلد النساء

یا رسول اللہ آپ تو ہر عیب سے پاک پیدا ہوئے، ایسے ہیں جیسے آپ کے یہ منشاء کے مطابق آپ کو بنایا گیا، آپ ہے، آپ سے زیادہ خوبصورت میری آنکھ نے نہیں دیکھا، بلکہ آپ سے زیادہ حسین و جمیل کسی ماں نے جنم نہیں دیا ہے

☆☆☆☆

قسط ۳۲

توحید اور محبوبانِ خدا کے کمالات

بقلم محمد حسین نائی

قسط ۳۲

نگاہ محبت: محبوبانِ خدا کے کمالات کے منکرین کا اپنا کمال دیکھا کس طرح مولانا حسین احمد ٹانڈوی کو خدا بنایا جارہا ہے، مزید ایک بار اس عبارت کو پڑھیئے اور ان اندھوں کے مست نظارۂ جمال ہونے کی کیفیت ملاحظہ کیجئے جو خدائے یکتا کے محبوب یکتا علیہ التحیۃ والثناء میں نور کی کرن تک دیکھنے کے بھی منکر ہیں۔ ہاں ہاں دوبارہ پڑھیے۔

''تم نے کبھی خدا کو بھی اپنے گلی کوچوں میں چلتے پھرتے دیکھا ہے؟ کبھی خدا کو بھی اس کے عرش عظمت و جلال کے نیچے فانی انسانوں سے فروتنی کرتے دیکھا ہے؟ تم کبھی تصور بھی کرسکے کہ رب العالمین اپنی کبریائیوں پر پردہ ڈال کر کے تمھارے گھروں میں آکر رہے گا'' (شیخ الاسلام نمبر)

کیا مطلب؟ یعنی مولانا حسین احمد ٹانڈوی جو گاندھی جی کے بندۂ بے دام تھے گلی کوچوں میں نہیں پھر رہے تھے، خدائے پاک جو چلنے پھرنے اور اٹھنے بیٹھنے سے پاک ہے، پھر رہا ہے، ظاہر میں وہ ایک مولوی تھا یعنی حسین احمد ٹانڈوی، مگر باطن میں وہ ان کے نزدیک خدا ہی تھا۔ جس شخص کو تم فانی انسانوں سے عجز وانکسار سے پیش آتا دیکھ رہے ہو، اسے اگر مولانا حسین احمد ٹانڈوی سمجھتے ہو، تو غلط ہے حقیقت میں (معاذ اللہ) خدا ہے جو اس لباس میں اتنی نیازمندی دکھا رہا ہے۔ پھر ہاں تم یہ تصور بھی نہیں کرسکتے تھے کہ اللہ رب العالمین تمھارے ساتھ تمھارے گھروں میں آکر رہے گا، لیکن ایسا ہوگیا کیونکہ تمھارے گھر میں جسے تم حسین احمد ٹانڈوی خیال کرتے ہو، یہ وہی اللہ رب العلمین ہی تو ہے، دیکھا عشق کا کمال؟ کسے کہاں تک پہنچایا جارہا ہے، اور دیکھی محبت کی نگاہ؟ کسے کیا دیکھ رہی ہے، غیر جانبداری سے تحقیق کرلیجئے کیا دیوبندی حضرات نے کبھی اللہ رب العلمین کے سب سے بڑے محبوب ومطلوب حضور شافع یوم النشور ﷺ کی شان میں یہ انداز اختیار کیا ہے اور یہ تاثر دینے کی کوشش کیے کہ اللہ رب العلمین ہی مکہ مکرمہ ومدینہ منورہ میں رحمۃ للعالمین کا لبادہ اوڑھ کر گلیوں میں پھرا کرتا تھا وغیرہ وغیرہ۔ آخر کیوں؟ اس لئے کہ فرزندانِ دیوبند کی محبت کا منتہیٰ ان کے اساتذہ ومشائخ ہیں، ان کی محبت انھیں ملاؤں سے شروع ہوتی ہے اور انھیں پر آکے ختم ہوتی ہے۔ اللہ کے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں ان کا رویہ عشق ومستی کا نہیں، بغض وعناد کا ہے، غلامانہ نہیں، باغیانہ ہے، مومنوں کے بارے میں نہیں، منکروں والا ہے۔ مگر اپنے ملاؤں اور پیروں کے بارے میں جو انداز اختیار کرتے ہیں، فرمایئے اگر یہ بھی شرک نہیں تو شرک کسے کہتے ہیں۔ ہم مظلوم ومسکین جو دن رات ان کے تیروں کی زد میں رہتے ہیں، کیا ہم میں سے کسی نے بھی کسی پیر فقیر کے بارے میں یہ کچھ کہا ہے۔ بلکہ اللہ کے پیارے رسول ﷺ جو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ہمارے شفیع اور دنیا وحشر میں اللہ رب العلمین کے بعد ہمارا سب کچھ ہیں، کیا ان کیلئے بھی کبھی یہ انداز اپنایا جو دیوبندی قلم کار اپنے دیوبندی پیر حسین احمد ٹانڈوی کیلئے اختیار کئے ہوئے ہیں، ہم زیادہ سے زیادہ کہیں تو یہی عرض کرتے ہیں۔

'' بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر ''

مقام حبیب ﷺ: گویا ہم جو کچھ بھی اپنے آقا ومولا ﷺ کو مانتے ہیں، بعد از خدا ہی مانتے ہیں، انھیں ہرگز ہرگز خدا نہیں کہتے، رب العالمین نہیں کہتے، ہمارے عظیم بزرگ، شیخ محقق شیخ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہٗ جو عشق رسول ﷺ میں بھی نہایت اونچے مقام پر فائز ہیں، فرماتے ہیں

مخواں اررا خدا از بہر حفظ شرع و پاس دیں
دگر ہر وصف کش می خواہی اندر مدحش املا کن

اسی نقطۂ نظر کی آزاد ترجمانی کرتے ہوئے ایک شاعر بارگاہ حبیب کبریا علیہ التحیۃ والثناء میں عرض کرتا ہے۔

خدا تیرا خدا ہے ، تو خدا کا پاک بندہ ہے
خدا تو تُو نہیں ، نور خدا ، شان خدا تو ہے
تری تعریف میں جتنا بڑھیں سب تجھ کو شایاں ہے
مگر اک ناروا یہ ہے کہ یوں کہیے 'خدا تو ہے'

اسی بات کو امام بوصیری علیہ الرحمۃ والرضوان نے اپنے مشہور و مقبول قصیدہ بردہ شریف میں یوں واضح کیا ہے۔

دع ما ادعتہ النصاریٰ فی نبیھم
واحکم بما شئت مدحاً فیہ واحتکم
وانسب الی ذاتہ ما شئت من شرفٍ
وانسب الیٰ قدرہ ما شئت من عظم
فان فضل رسول اللہ لیس لہ
حد فیعرب عنہ ناطق بفم

ترجمہ: جو نصاریٰ نے اپنے نبی کے بارے میں کہا وہ نہ کہہ، اس کے سوا
جس قدر چاہے آپ کی مدح میں کہہ اور سن اور جو شرف بھی چاہے آپ
کے ذات سے اور جو عظمت بھی چاہے آپ کی شان سے منسوب کر

کیونکہ رسول اللہ ﷺ کے فضل کی کوئی حد ہی نہیں ہے کہ کہنے والا اپنے منہ سے ظاہر کر سکے۔ (یعنی عیسائیوں کی طرح خدا یا خدا کا بیٹا نہ کہہ، باقی سب کچھ ٹھیک ہے۔

غور فرمایا آپ نے بزرگان دین میں سے جس نے بھی محبوب اعظم، شفیع اُمم رسول اکرم ﷺ کی تعریف و توصیف کا ارادہ کیا، سخت احتیاط و پابندی کا مظاہرہ کیا اور صاف صاف فرمادیا کہ کہیں جوش میں ہوش نہ گنوا دینا اور حضور پرنور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو 'خدا' نہ کہہ دینا، ہمارے اقبالؔ کو لے لیجئے، کتنا پیار تھا انھیں محبوب رب العلمین علیہ الصلوٰۃ والسلام سے نگاہ ایمان ان کے نزدیک نگاہ عشق و مستی ہی تو ہے، اور نگاہ عشق و مستی بھی ہو تو زیادہ سے زیادہ یہی کہا جائے گا۔

وہ دانائے سبل ، ختم الرسل، مولائے کل جس نے
غبار راہ کو بخشا فروغ وادی سینا ! !
نگاہِ عشق و مستی میں وہی اول، وہی آخر
وہی قرآں، وہی فرقاں، وہی یٰسیں، وہی طٰہٰ

ایک یہ نگاہِ عشق و مستی ہے کہ خدا کے بعد کائنات کی سب سے بڑی شخصیت کو بھی 'خدا' یا رب العلمین نہیں دیکھتی بلکہ اول و آخر، قرآں و فرقاں اور یٰس و طٰہٰ ہی دیکھتی ہے۔

اور دوسری طرف صورتِ حال یہ ہے کہ پیر صاحب گھر میں نہیں رہتے یہ خدا صاحب ہیں جو گھر میں رہتے ہیں اور یہ پیر صاحب نہیں جو بازاروں میں ٹہل رہے ہیں بلکہ رب العلمین صاحب ہے جو اس لبادے میں چکر لگا رہا ہے، (معاذ اللہ)

طرز رضا: آیئے اب اس شخصیت کی طرف جو اہل محبت کا امام ہے مگر نجد و دیوبند نے اہل بدعت اور اہل شرک کے امام کے طور پر پیش کیا ہے اور جس کے خلاف یہ جھوٹا پروپیگنڈا بڑے شد و مد سے صرف اس لئے کیا گیا کہ وہ اپنے اللہ کے سب سے بڑے محبوب ﷺ کا باغی نہیں تھا جس طرح نجد و دیوبند کے جیالے اللہ اور

اس کے سب سے بڑے محبوب ﷺ کے خلاف ہرزہ سرائی کرتے تھے وہ برداشت نہیں کرتا تھا۔ہاں ہاں یہ ہیں اعلیٰحضرت مولانا شاہ احمد رضا خان صاحب بریلوی قدس سرہٗ جنھیں یارسول اللہ کہنے، حضور پرنور ﷺ کے علوم واسعہ کا اقرار کرنے اور آپ کی بے مثل عظمت کے گیت گانے پر مشرک کہا گیا۔وہ ساری عمر اس حبیب کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے گن گاتے رہے مگر بتاؤ تو کبھی انھوں نے حضور پرنور ﷺ کو خدا کہا، ہرگز نہیں، کہیں نہیں، ایک بار نہیں۔کہیں رب العلمین کہا، قطعاً نہیں، کتنے دکھ کی بات ہے جو اپنے پیر کو بھی خدا اور رب العلمین کہہ رہا ہے، اسے تو توحید کا ٹھیکیدار سمجھا جائے بلکہ اس کی تحریر اہتمام سے علما کے جریدے میں شائع کی جائے پھر اسے عام کیا جائے اور حیرت یہ ہے سارے بیابان نجد و دیوبند میں سے کسی طرف سے کوئی احتجاجی آواز بلند نہ ہو، اور جو محبوب اکرم ﷺ کی شان میں ایسا کوئی لفظی استعمال نہ کرے جو خدا کی ذات کیلئے خاص ہو، مثلاً واجب الوجود، اسے معاذ اللہ بدعتی و مشرک کہا جائے۔کیا آپ کو معلوم ہے اعلیٰ حضرت کے نزدیک حمد و نعت میں کیا فرق بیان کیا ہے؟ آپ فرماتے ہیں۔

''حقیقۃً نعت شریف لکھنا نہایت مشکل ہے، جس کو لوگ آسان سمجھتے ہیں، اس میں تلوار کی دھار پر چلنا ہے۔اگر بڑھتا ہے تو الوہیت میں پہنچا جاتا ہے اور کمی کرتا ہے تو تنقیص ہوتی ہے۔البتہ حمد آسان ہے کہ اس میں راستہ صاف ہے۔ جتنا چاہے بڑھ سکتا ہے۔غرض حمد میں ایک جانب اصلا حد نہیں اور نعت شریف میں دونوں جانب سخت حد بندی ہے'' (ملفوظات حصہ دوم)

وہ لوگ جنہیں محبوب خدا حبیب کبریا علیہ افضل التحیۃ والثناء کے عشق کا کوئی ذرہ بھی مل جاتا ہے، شرک سے بچ جاتے ہیں (جیسا ''اتحاد ملت کی ضرورت وصورت'' میں کہیں مضمون آچکا ہے) اس لئے کہ حضور پرنور ﷺ شرک سے سخت بیزار ہیں اور حضور ﷺ کا عاشق طبعاً ایسی ہر بات سے گریزاں ہوتا ہے جو اس کے محبوب ﷺ کو ناگوار ہو) اس کی واضح مثال خود اعلیٰحضرت فاضل بریلوی بھی ہیں، اللہ کا نام پاک جس ادب واحترام سے آپ لکھتے ہیں، ان کے معاصرین میں سے کوئی نہیں لکھتا اور جس طرح توحید کا مضمون آپ نے نکھارا ہے آپ کے زمانے میں کسی اور صاحب نے نہیں نکھارا، حتیٰ کہ وہ لوگ جنھیں اعلیٰحضرت سے خدا واسطے کا بیر ہے اور وہ کوئی موقعہ بھی فتویٰ شرک لگائے بغیر 'ضائع' نہیں کرنا چاہتے، اگر انھیں کی 'توحید' ہی کے معیار اعلیٰحضرت فاضل بریلوی کے مقابل لایا جائے تو یہ عجیب بات کھل کر سامنے آجائے گی کہ ان کی توحید اس فخر عاشقان رسول ﷺ کی توحید کے مقابلے میں سخت مجروح، ناقص اور بے نور ہے۔اگرچہ مخالفین ظاہراً توحید ہی کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنائے بیٹھے ہیں تاہم حقیقت میں 'توحید' کے نام پر 'توحید' کو سب سے زیادہ 'شرک آلود' کرنے والے بھی وہی ہیں۔ یہاں ایک حدیث پاک یاد آگئی جسے علامہ ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں نقل کیا ہے۔''حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا'' مجھے تم پر اس شخص کا ڈر ہے جو قرآن پڑھتا رہے گا، حتیٰ کہ اس پر قرآن کی رونق آجائے گی اور اسلام کی چادر اوڑھے رکھے گا جب تک اللہ نے چاہا، پھر وہ اس چادر سے صاف نکل کر پس پشت پھینک دے گا۔اور اپنے پڑوسی کو مشرک کہہ کر اس پر تلوار چلانے لگے گا، حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے پوچھا اے اللہ کے نبی! دونوں میں سے شرک (کے فتویٰ) کا زیادہ مستحق کون ہوگا؟ شرک کی تہمت میں آنے والا یا شرک کی تہمت لگانے والا۔آپ ﷺ نے فرمایا شرک کی تہمت لگانے والا شرک (کے فتویٰ) کا زیادہ مستحق ہے'' (تفسیر ابن کثیر ج۲ ص ۲۶۵ مطبوعہ مصر)

یہ فیصلہ سنا آپ جو کائنات کے سب سے بڑے نبی اور اللہ کے بعد سب سے بڑے حاکم ﷺ نے صادر فرمایا ہے۔یعنی فتویٰ شرک کا زیادہ مستحق خود وہی ہے جو اہل ایمان و توحید کو بلاوجہ مشرک ٹھہرا رہا ہے۔

ہاں ہاں کتنی عجیب صورت حال ہے کہ بظاہر

عموماً شرک کا فتویٰ لگاتے ہیں کون؟ — فرزندان نجد و دیوبند

اور کن پر؟ — اہل سنت پر (جنھیں وہ بریلوی کہتے ہیں)

حقیقت میں فتویٰ شرک کے زیادہ مستحق کون؟ — خود مشرک کہنے والے یعنی نجد و دیوبند کے جیالے

دیوبند کی پیر پرستی: اور زندہ ثبوت اس کا اوپر گزر گیا یعنی یہ عام مسلمانوں کو پیر پرست اور مشرک کہنے والے خود اپنے پیر کو خدا اور رب العالمین کہتے ہوئے شرماتے نہیں، 'پیر پرست' اصل میں تو وہ ہے جو پیر کو خدا کہے یا رب العالمین اور ظاہر ہے یہ لفظ دیوبندی کہہ رہے ہیں اپنے پیر ٹانڈوی کو۔اس سلسلے میں فاضل بریلوی قدس سرہ کا رویہ و عقیدہ کیا ہے فتاویٰ رضویہ کی ج۶ میں ایک مختصر سا فتویٰ ملاحظہ فرمایئے

''الجواب: اِے مرشد کو خدا کہنے والا کافر ہے اور اگر مرشد اسے پسند کرے تو وہ بھی کافر۔ مرشد برحق کی قدم بوسی سنت ہے اور سجدہ ممنوع ہے''

غرض اعلیٰحضرت' ان کے خاندان بلکہ اہل سنت کے کسی عالم دین کی نظم ونثر میں یہ مضمون آپ کو کہیں نہیں ملے گا کہ اس نے معاذ اللہ، اللہ کے سوا کسی کو 'خدا' یا 'رب العالمین' کہا ہو، مگر نجد و دیو بند کے صنم خانے ان آلائشوں اور نجاستوں سے اٹے پڑے ہیں۔ ان کے ہاں توصیف و تنقیص کا ایک مخصوص انداز ہے۔ جب یہ اللہ کی حمد بیان کرتے ہیں تو اس کے محبوبوں کے اوصاف و کمالات کا انکار ہی انھیں مقصود ہوتا ہے، حالانکہ اللہ کی قدرت بیان کرنا مقصود ہو یا رحمت، دونوں صورتوں میں مخلوق کے حوالے سے بات عام فہم اور مدلل ہو جائے گی، حمد یہ ہے کہ اللہ نے مخملیں زمین بچھائی سنہری آسمان کی چھت سجائی۔ اللہ نے پہاڑوں کی میخیں گاڑیں سمندر بنائے اور ندیاں جاری کر دیں وغیرہ اسی طرح بیان کرتے جایئے جو مخلوق جتنی عظیم ہوگی، اس کے حوالے سے اللہ کی عظمت اور واضح ہوگی، اگر حق یہی ہے تو اللہ کی ساری مخلوق میں سوچیئے سب سے ارحم و اکرم، سب سے اعظم و افخم احسن و اجود حضور ﷺ کے سوا کون ہے۔ دیکھئے حضور پر نور ﷺ کی نعت تو حمد کا بہترین مضمون ہے، کیوں نہ ہو اللہ نے خود حضور ﷺ کو برہان بنا کر بھیجا ہے اور برہان فرمایا ہے، حضور پر نور کی ذات اللہ کی ذات کی مظہر اور حضور ﷺ کی صفات اللہ کی صفات کی برہان ہیں۔ یعنی

دعویٰ ہے کہ اللہ یکتا ہے	اور دلیل یہ کہ حضور ﷺ یکتا ہیں
دعویٰ ہے کہ اللہ عالم الغیب ہے	اور دلیل حضور پاک ﷺ کے علم غیبیہ
دعویٰ اللہ ارحم الرحمین ہے	اور دلیل حضرت محمد ﷺ کا رحمۃ للعلمین ہونا
دعویٰ ہے کہ اللہ قادر مطلق	اور دلیل حضور ﷺ کے معجزات وتصرفات۔

حمد و نعت کی یکجائی: حقیقت تو یہی ہے کہ اللہ کی شان و عظمت اس کی مخلوق کے حوالے سے ظاہر ہوتی ہے اور حضور پرنور ﷺ چونکہ 'برہان' ہیں اس لئے حمد کا مضمون بھی سب سے زیادہ مدلل و محکم اس وقت ہوتا ہے جب حضور ﷺ کی خداداد عظمتوں کو حمد کی دلیل ٹھہرایا جائے دراصل 'حمد و نعت' کو ایک دوسرے سے الگ کیا ہی نہیں جا سکتا مثلاً ''حضور ﷺ کو پیکر حسن و جمال ہیں'' یہ نعت ہے اور ''اللہ نے حضور ﷺ کو پیکر حسن و جمال بنایا، یہ حمد ہے دیکھئے قرآن پاک

انا اعطینٰك الکوثر O

ترجمہ: بیشک ہم نے تجھے کوثر عطا کی

تو ظاہر ہے اللہ کا کوثر عطا فرمانا حمد ہے اور حضور ﷺ کا کوثر لینا نعت ہے۔

اعلیٰحضرت فرماتے ہیں

قرآن سے میں نے نعت گوئی سیکھی
یعنی رہے آداب شریعت ملحوظ!

اور سیکھنے کا نتیجہ؟ حضور ﷺ کی بارگاہ میں عرض کرتے ہیں

وہی رب ہے جس نے تم کو ہمہ تن کرم بنایا
ہمیں بھیک مانگنے کو ترا آستاں بنایا تجھے حمد ہے خدایا

دیکھا آپ نے قرآن سے نعت گوئی سیکھنے والے نے حمد و نعت کو کس طرح یکجا کیا، مگر نجد و دیو بند کے سپوتوں نے اللہ و رسول کو بھی ایک دوسرے سے جدا سمجھا اور ان کی شان و عظمت کو بھی ایک دوسرے کی نفی خیال کیا، ان کم بختوں کی توحید کچھ یوں ہے کہ ''اللہ خالق ہے، ساری قدرتوں کا مالک ہے، کسی کو کچھ نہیں دیتا اور اگر کسی کو کچھ دے تو توحید کمزور ہو جاتی ہے۔ کسی کو کچھ نہیں دیتا اور اس کے سوا کسی کو نہیں ماننا چاہئے، سب نبی ولی مل کر مکھی کا پر نہیں بنا سکتے، اس کے حضور ذرۂ بے مقدار سے بھی کمتر ہیں ان کے نزدیک اگر اس کی رحمتوں کا ذکر کیا جائے تو وہ ناراض ہو جاتا ہے، ان کے خیال میں اللہ کے نزدیک معاذ اللہ دوست دشمن سب برابر ہیں۔ اس کی بارگاہ میں کوئی کسی کی شفاعت نہیں کر سکتا، معاذ اللہ! معاذ اللہ اللہ کی رحمت کا مضمون ان کے مزاج ہی کے مطابق نہیں ہے، آپ کبھی تقویت الایمان دیکھ لیں اللہ کے پاک بندوں اور خلیفوں کو بتوں کی طرح (معاذ اللہ) بے بس، بے علم، سمجھنا ہی ان کی توحید کا اہم عنوان ہے۔ اس ناپاک کتاب میں انبیائے کرام علیہم السلام کے خلاف ہرزہ سرائی کا جو انداز اختیار کیا گیا ہے، میں اسے نقل کرنے کی بھی جرات نہیں رکھتا۔

نبی علیہ السلام سے بغض اور پیر سے عشق: ہاں حمد ونعت میں ان کا انداز یہی کچھ ہے یعنی اللہ نے کچھ نہیں دیا' حمد'اور حضور ﷺ نے کچھ نہیں لیا'نعت' ہے۔ ہاں جب اپنے پیروں اور ملاؤں کی مدحت سرائی پر آتے ہیں تو ان کے ذہن کی پرواز، فکر کی بلندی اور قلم کی روانی دیدنی ہوتی ہے، اوراس کی دلیل یہی عبارت جس سے اس قسط کا آغاز ہوا یعنی اپنے پیر ٹانڈوی کو خدا اور رب العلمین کہہ دیا۔ یہ مسئلہ ایک جگہ نہیں، تقریباً ہر جگہ ہے مثلاً تقویت الایمان میں انبیاء ومرسلین علیہم السلام سے بغاوت سکھانے والے اسمٰعیل نے صراط مستقیم میں اپنے پیر سید احمد بریلوی کی جو شان بیان کی ہے، وہ پڑھ کر دیکھ لیں' آخر کیوں؟ اس لئے کہ حضور نبی اکرم ﷺ سے بغض وعداوت ہے اور اپنے ملاؤں سے محبت وعقیدت۔ حضور پرنور ﷺ کا ذکر شروع کرتے ہیں تو حرف حرف پر انھیں شرک کا خطرہ محسوس ہوتا ہے اور اپنے آقاؤں کا ذکر کرتے ہیں تو شرک وکفر میں ڈوب جاتے ہیں، اس کی ایک واضح مثال تو یہی' شیخ الاسلام نمبر ہے' جس کے چند اقتباسات آپ نے گذشتہ قسط کے آخر میں ملاحظہ فرمائے اور دوسری مثال مولانا رشید احمد گنگوہی کے مرثیے ہیں جنھیں مولانا محمود الحسن صاحب دیوبندی نے نظم کیا، مولانا نے اپنے پیر کو تمام مشائخ ماضی وحاضر کے کمالات ومقامات کا جامع بتایا اور پھر انبیاء کرام علیہم السلام کے مقابلے میں لاکر اپنے پیر کو حتی المقدور واضح برتری دی بلکہ بانی اسلام ﷺ کا ثانی تک کہہ دیا، اس سلسلے میں ان کا شعر یوں ہے

زباں پر اہل اہوا کی ہے کیوں اعل ھبل، شاید
اٹھا دنیا سے کوئی بانی اسلام کا ثانی

یعنی نفس پرست لوگ مولانا رشید احمد گنگوہی کی وفات پر اعل ھبل (یعنی اے ھبل اونچا ہو) کا وہی نعرہ لگا رہے ہیں جو حضور پرنور ﷺ کے وصال شریف کے موقع پر کفار نے لگایا تھا، شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ بانی اسلام کا ثانی دنیا سے کوچ کر رہا ہے بانی اسلام میں دو احتمال ہیں، حضور ﷺ کی ذات پاک جیسا کہ عموماً کہا جاتا ہے یا اللہ تعالیٰ کی ذات پاک۔ شاعر نے اگر حضور ﷺ ہی مراد لئے ہیں تو بھی کسی مولوی کو، پیر کو یا کسی اور بڑی سے بڑی شخصیت کو بانی اسلام کا ثانی کہنا کسی بھی امتی کی ہمت وجرات سے بالاتر ہے، یہاں یہ بھی سمجھ لیجئے کہ جب کسی شخصیت کو کم از کم حضور سید الانبیاء علیہم السلام کا ثانی ہی گردانا جارہا ہے تو اس کے سامنے باقی انبیاء ومرسلین علیہم السلام کی کیا حیثیت ہوگی، چنانچہ اسی مرثیے میں ایک شعر یوں ہے

قبولیت اسے کہتے ہیں، مقبول ایسے ہوتے ہیں
عبید سود کا ان کے لقب ہے یوسف ثانی

مختصر یہ کہ مولانا رشید احمد گنگوہی کی مقبولیت کی دلیل یہ ہے کہ ان کے کالے ادنیٰ غلاموں کا لقب بھی یوسف ثانی ہے۔ (معاذ اللہ) ایک گنگوہی صاحب ہی نہیں، ان کے نزدیک ہر مرد مقبول کی یہ شان ہوتی ہے۔ (اب دیوبند میں کتنے مقبول ہیں، ان کے خیال میں ان گنت، ان کے ادنیٰ غلاموں کی گنتی بھی محال، ان میں سے ایک کا مرتبہ یہ ہے کہ اپنی' روسیاہی' کے باوجود اتنا حسین ہے کہ اسے' یوسف ثانی' کا لقب مل جاتا ہے۔ دیکھا مقام نبوت' صلحائے' دیوبند کی نظر میں) مقام نبوت کے ساتھ یہ سلوک ہے تو پھر بڑے سے بڑا غیر نبی ان کے مقابلے میں کیا حیثیت رکھتا ہے، چنانچہ امت کی دو عظیم ترین شخصیتیں جنھیں سرکار دوعالم ﷺ نے اپنا وزیر فرمایا اور قرب تمام ودوام عطا فرمایا، یعنی حضرت صدیق اکبر اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہما، ان کے حوالے سے مولوی گنگوہی کا مرتبہ کیا ہے، محمود الحسن کا عقیدہ ملاحظہ ہو۔

وہ تھے صدیق اور فاروق، پھر کہئے عجب کیا ہے
شہادت نے تہجد میں قدم بوسی کی گر ٹھانی !

اس میں سب سے حیرتناک شعر وہ ہے جس میں بظاہر مولانا نے مولانا گنگوہی کی قبر کو طور سے' خود کو موسیٰ علیہ السلام سے تشبیہ دی ہے اور باقی بات پر خود غور کر لیں کہ مولانا کیا کہنا چاہتے ہیں۔

تمھاری تربت انور کو دے کر طور سے تشبیہ
کہوں ہوں بار بار اَرِنی مری دیکھی بھی حیرانی!

صرف تربت پر کھڑے ہو کر اَرِنی کہتے جاتے تو ہجر کی بے چینی کا اظہار تو ہو جاتا تھا مگر مولانا رشید احمد گنگوہی کی شان ظاہر نہیں ہو سکتی تھی، اس لئے مرید صادق نے ضروری سمجھا کہ تربت کو طور سے تشبیہ دے کر بات کی جائے کہ ہر سمجھنے والا سمجھ جائے کہ قبر میں ایسی شخصیت جلوہ گر ہے جسے مخلوق میں سے کسی فرد سے نہیں خالق ہی سے

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پر اعتراضات کا علمی جائزہ

یہاں چند ایسے اعتراضات ذکر کیے جارہے ہیں جو بعض حلقوں کی طرف سے بڑی شدومد اور جوش و خروش سے پیش کیے جاتے ہیں۔ جب حقیقت حال آپ کے سامنے پیش کی جائے گی تو آپ کو ان اعتراضات کی لغویت کا یقین آجائے گا۔ وما توفیقی الا باللہ العلی العظیم۔

پہلا اعتراض:۔ حضرت خالد حضرت ابوبکر صدیق کے جرنیل تھے۔ انہوں نے مالک بن نویرہ کو قتل کر دیا حالانکہ وہ مسلمان تھا اور اس کی بیوی ام تمیم کو اپنے گھر ڈال لیا جو شرعاً جائز نہیں۔ بحیثیت خلیفہ حضرت ابوبکر پر لازم تھا کہ آپ قتل بے گناہ کے قصاص میں حضرت خالد کو قتل کرتے اور جرم زنا کی سزا میں آپ کو سنگسار کرتے۔ آپ نے حضرت خالد کو کوئی سزا نہیں دی اس طرح شریعت اسلامیہ کی حدود کو توڑا ہے۔

جواب:۔ جب تک صورت حال کا تفصیلی تذکرہ آپ کے سامنے نہ کیا جائے یہ غلط فہمی دور نہیں ہو سکتی۔ مالک بن نویرہ قبیلہ بنی تمیم کا سردار تھا۔ وجیہ، خوبصورت، سخی اور شجاعت میں اپنا جواب نہیں رکھتا تھا۔ اپنے قبیلے کے ساتھ بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر مشرف بہ اسلام ہوا حضور ﷺ نے ازراہ نوازش اپنے قبیلے کی زکوٰۃ اور صدقات جمع کرنے کا منصب تفویض فرمایا۔ اور حضور ﷺ کے وصال تک یہ اپنے فرائض انجام دیتا رہا۔ سرکار دو عالم ﷺ کی رحلت کے بعد ارتداد کا جو جھگڑا اچلا اس میں یہ بھی اپنی شمع ایمان کو بچا نہ سکا۔ دوسرے کئی لوگوں کی طرح اس نے بھی زکوٰۃ ادا کرنے سے انکار کر دیا۔ زکوٰۃ اور صدقات کی مد میں اس کے پاس جو روپیہ اور غلہ جمع تھا اس نے اپنی قوم میں تقسیم کر دیا۔ جب حضور ﷺ کی وفات کی خبر اس کے پاس پہنچی تو اس نے خوشی اور مسرت کا جشن منایا۔ اس کے گھر کی عورتوں نے مہندی لگائی ڈھول بجائے اور خوب فرحت و شادمانی کا اظہار کیا۔

حضرت صدیق اکبر نے طلیحہ جس نے نبوت کا جھوٹا دعویٰ کیا تھا کے مقابلے کے لیے حضرت خالد کو روانہ کیا حضرت خالد جب اس علاقہ میں پہنچے تو طلیحہ نے راہ فرار اختیار کی اور اس کا قبیلہ تتر بتر ہو گیا۔ اس مہم سے فارغ ہونے کے بعد آپ نے مالک بن نویرہ کی گوشمالی کا قصد کیا جو بطاح کے علاقہ میں انکار زکوٰۃ کی خطرناک مہم کا سرغنہ بنا ہوا تھا۔ آپ کی آمد کی خبر سن کر اس کے حواس باختہ ہو گئے۔ اس کے کئی ساتھی تائب ہو کر از سر نو مسلمان ہو گئے لیکن یہ شش و پنج ہی میں مبتلا رہا اور آخر وقت تک کوئی فیصلہ نہ کر سکا کہ وہ انکار زکوٰۃ کے موقف پر ڈٹا رہے یا اپنے دوسرے رفقاء کی طرح توبہ کر کے از سر نو مسلمان ہو جائے۔

حضرت خالد قبیلہ اسد و غطفان اور ان کے حلیفوں سے نپٹنے کے بعد جب بطاح کے علاقے میں پہنچے تو مالک بن نویرہ نے اپنے قبیلے کو منتشر ہونے کا حکم دے دیا اور انہیں مسلمانوں سے جنگ کرنے سے منع کر دیا۔ جب خالد بطاح میں پہنچے تو وہاں کوئی بھی نہ تھا۔ آپ نے اپنے لشکر کو کئی حصوں میں تقسیم کر کے علاقے میں پھیل جانے کا حکم دیا اور انہیں ہدایت دی کہ جو شخص تمہیں ملے اسے اسلام قبول کرنے کی دعوت دو اگر وہ دعوت قبول کرے تو اس سے تعرض نہ کرنا اور اگر وہ انکار کرے تو وہ مرتد ہے اور واجب القتل۔ حضرت صدیق اکبر نے بھی اسلامی لشکروں کو ملک کے مختلف اطراف میں روانہ کرنے سے پہلے یہ وصیت کی تھی کہ وہ جہاں جائیں آذان دیں۔ اگر وہاں کے رہنے والے بھی اذان دیں تو ان پر حملہ نہ کریں اگر ان کی بستی سے اذان کی آواز بلند نہ ہو تو ان پر حملہ کرنے کی اجازت ہے۔ جب وہ اسلام کی دعوت کو قبول کر لیں تو پھر ان سے زکوٰۃ کے بارے میں دریافت کریں۔ اگر وہ زکوٰۃ دینے پر بھی آمادہ ہو جائیں تو انہیں کچھ نہ کہا جائے۔ اور اگر وہ زکوٰۃ دینے سے انکار کریں تو پھر ان کو تہ تیغ کر دیں۔

لشکر اسلام کا ایک دستہ مالک بن نویرہ کو اس کے چند ساتھیوں کے ساتھ گرفتار کر کے حضرت خالد کے پاس لے آیا۔ آپ نے اس دستہ سے پوچھا کہ کیا مالک نے اسلام قبول کیا ہے یا نہیں۔ تو حضرت ابو قتادہ انصاری نے جو اس دستہ میں شریک تھے کہا کہ بے شک اس نے اسلام قبول کیا ہے لیکن اس دستہ میں شامل دوسرے لوگوں نے اس کے مسلمان ہونے کی تردید کی اور بتایا کہ وہ حسب سابق اپنے ارتداد پر قائم ہے۔ اس اختلاف کے باعث حضرت خالد نے خود مالک بن نویرہ سے خود طویل گفتگو کی تاکہ اس کے عقیدے پر انہیں آگاہی حاصل ہو۔ اس گفتگو کی تفصیل دیگر مورخین کے علاوہ علامہ ابن خلکان نے وفیا الاعیان میں تحریر کی ہے۔

جب مسلمان لشکر مالک بن نویرہ کو گرفتار کر کے حضرت خالد کی خدمت میں لے آیا تو آپ کی اس سے طویل گفتگو ہوئی۔ مالک نے حضرت خالد کے استفسار کے جواب میں کہا

انی آتی بالصلوٰۃ دون الزکوٰۃ.... میں نماز تو ادا کرتا ہوں لیکن زکوٰۃ کی فرضیت کا قائل نہیں ہوں۔

حضرت خالد نے کہا "اما علمت ان الصلوٰۃ والزکوٰۃ معالا تقبل واحدۃ دون اخریٰ" (کیا تم نہیں جانتے کہ نماز اور زکوٰۃ کی فرضیت یکساں ہے اور ایک کے بغیر دوسری قبول نہیں ہوتی۔)

مالک نے بڑی بے پرواہی کے ساتھ جواب دیا قد کان صاحبك یقول ذالك ہاں تمہارا صاحب یونہی کہا کرتا تھا۔ حضرت خالد اس کے گستاخانہ انداز گفتگو کو سن کر بڑا افروختہ ہو گئے فرمایا" کیا حضور ﷺ تمہارے صاحب نہیں ہیں؟ اگر تم زکوٰۃ دینے سے انکار کرو گے تو تمہارا سر قلم کر دوں گا" پھر

اس کے منہ سے نکلا:او بذلکاوک صاحبک

کیا تمھارے صاحب نے تمھیں یہی حکم دیا ہے

خالد نے غصہ سے کہا:

وھذہ بعد تلك واللہ لا قتلنك

پہلی گستاخی کے بعد دوبارہ پھر گستاخی کر رہے ہو بخدا میں تم کو ضرور قتل کروں گا

اس گفتگو سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہو گئی کہ مالک بن نویرہ اگرچہ نماز کا قائل تھا لیکن زکوۃ کا منکر تھا۔ پھر نبی کریم ﷺ کے ادب واحترام سے اس کا دل خالی تھا۔ اس لیے بار بار صاحبک کا لفظ اس کی زبان سے نکل جاتا تھا۔ آپ خود ہی انصاف کریں جو شخص مسلمان ہونے کے بعد مرتد ہو جائے۔ جو ارکان دین میں سے زکوۃ جیسے اہم رکن کا انکار کر دے، جو شخص بارگاہ رسالت میں گستاخانہ لہجہ اختیار کرے اس کا اسلام سے کیا تعلق باقی رہتا ہے۔ یقیناً وہ شخص واجب القتل تھا۔ اور حضرت خالد نے شریعت اسلامیہ کے ضابطہ کے تحت اس کو تہ تیغ کیا۔

کیوں کہ وہ نماز کی فرضیت کا قائل تھا حضرت ابوقتادہ نے اس کی اذان ضرور سنی ہو گی لیکن اس وقت جو فتنہ اٹھ کھڑا ہوا تھا وہ نماز کی فرضیت کے بارے میں نہ تھا بلکہ زکوۃ کی فرضیت کے بارے میں تھا اور امت کا اس پر اجماع ہے کہ جو شخص دین کے فرائض میں سے کسی ایک فرض کا بھی انکار کرے تو وہ دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔ علامہ ابن خلدون نے اس واقع کی تفصیل یوں لکھی ہے۔

کہ حضرت خالد کے پہنچنے سے پہلے مالک نے اپنے قبیلے کو منتشر کر دیا حضرت خالد نے انہیں تلاش کرنے کے لیے اپنی فوج کے دستے روانہ کیے۔ ایک دستہ مالک بن نویرہ کو اس کے چند ساتھیوں کے ساتھ گرفتار کر کے لے آیا۔ اس کے بارے میں اس دستہ میں اختلاف رونما ہوا ابوقتادہ کہتے ہیں کہ انہوں نے اذان بھی دی اور نماز بھی پڑھی۔ دوسرے مجاہدین اس بات کو تسلیم نہ کرتے تھے۔ حضرت خالد نے ان لوگوں کو نظر بند کر دیا تا کہ ان کے بارے میں کوئی حتمی فیصلہ کرنے سے پہلے پوری تحقیق کر لی جائے اور حضرت ضرار بن ازوار کو ان کی حفاظت پر مقرر کیا۔ موسم سخت سرد تھا رات کو بارش برسنے لگی حضرت خالد کو ان نظر بندوں کا خیال آیا تو پریشان ہو گئے مبادا کہ سردی اور بارش کی وجہ سے انہیں تکلیف پہنچ رہی ہو۔ آپ نے ایک آدمی کو دوڑایا جس نے یہ پیغام پہنچایا

ادفئو اسراکم

اس کا لفظی ترجمہ تو یہ ہے کہ اس کڑاکے کی سردی میں ان نظر بندوں کو گرم رکھو تا کہ ٹھنڈ انہیں گزند نہ پہنچائے۔ لیکن بنی کنانہ کی لغت میں یہ جملہ بطور کنایہ قتل کے لیے استعمال ہوتا تھا۔ ضرار جن کے سپرد ان اسیروں کی نگہداشت تھی بنی کنانہ کے قبیلے سے تعلق رکھتے تھے۔ انہوں نے یہی سمجھا کہ قائد لشکر نے ان قیدیوں کو تہ تیغ کرنے کا حکم دیا ہے۔ چنانچہ انہوں نے ان سب کا کام تمام کر دیا۔ جب شور وغل بلند ہوا تو حضرت خالد نے اس کی وجہ پوچھی حقیقت حال سن کر آپ بڑے متاسف ہوئے۔ لیکن اب کیا ہو سکتا تھا۔ اس واقعہ کے بارے میں ایک تیسری روایت ہے جسے علامہ یاقوت نے اپنے کتاب معجم البلدان میں "بطاح" کے عنوان کے نیچے درج کیا ہے۔

لکھتے ہیں بطاح بنی اسد قبیلہ کے علاقے میں ایک چشمے کا نام ہے وہاں مسلمان اور مرتدین کے درمیان جنگ ہوئی۔ مسلمانوں کے سپہ سالار حضرت خالد بن ولید تھے اور ضرار بن ازور اسلامی مقدمۃ الجیش کے سالار تھے۔ مالک بن نویرہ اپنے لشکر کے ساتھ ان کے مقابلے کے لیے نکلا بطاح کے میدان میں ان دونوں لشکروں کے درمیان جنگ ہوئی ضرار نے کھلی جنگ میں مالک کو قتل کیا۔ ان روایات میں جو تاریخی اہمیت کی حامل ہیں اس بات کا کوئی ثبوت نہیں کہ حضرت خالد نے قتل عمد کا ارتکاب کیا اور مالک بن نویرہ کو مسلمان سمجھتے ہوئے تہ تیغ کیا تا کہ ان سے قصاص لیا جائے۔

صاحب اغانی نے اس واقعہ کو جس افسانوی رنگ میں پیش کیا ہے وہ ادب کی کتابوں میں تو گوارا کیا جا سکتا ہے لیکن مورخ کی نظر میں اس کی قطعاً کوئی تاریخی اہمیت نہیں تا کہ اس پر استدلال کی عمارت تعمیر کر کے حسب منشاء نتائج اخذ کیے جائیں۔ لیکن یہ بات وہیں ختم نہیں ہوتی ابو قتادہ غصہ سے بھرے ہوئے حضرت صدیق اکبر کے پاس آئے اور زور شور سے حضرت خالد کی شکایت کی۔ انہوں نے فاروق اعظم کو بھی اپنا ہمنوا بنا لیا۔ چنانچہ حضرت خالد کو دربار خلافت میں طلب کیا گیا اور آپ سے اس بارے میں باز پرس کی گئی۔ آپ نے جب خلیفۃ الرسول کی بارگاہ میں حقیقت حال پیش کی تو حضرت ابوبکر مطمئن ہو گئے اور اپنی فوج کی قیادت کرنے کے لیے محاذ جنگ پر بھیج دیا۔

حضرت فاروق اعظم نے جب آپ کو بار بار مجبور کیا کہ خالد سے قصاص لیا جائے تو آپ نے فرمایا "ھبہ" یا عمر تاؤل فاخطاء فارفع لسانك عن خالد " اے عمر چھوڑو بھی زیادہ سے زیادہ اس نے تاویل کی ہے اور اس میں اس سے خطا ہوئی جب حضرت عمر پھر بھی نہ مانے تو آپ نے دوٹوک الفاظ میں کہا

لا یا عمر ما کنت لا شیم سیفا سله الله علی الکافرین "نہیں اے عمر ہرگز نہیں میں اس تلوار کو نیام میں ڈالنے کے لیے تیار نہیں جسے اللہ تعالیٰ نے کفار پر بے نیام کیا ہے۔

اہل نظر جب حضرت خالد کے بارے میں حضرت صدیق اکبر کے فیصلے کو دیکھتے ہیں تو ان کی حیرت کی حد نہیں رہتی کہ آپ نے وہی فیصلہ کیا جو آپ کے آقا ومولا ﷺ نے اپنی حیات میں جب انہی خالد سے اسی قسم کا واقعہ سرزد ہوا تھا۔ اس واقع کا اجمالی ذکر فائدہ سے خالی نہ ہوگا۔

بنی حذیمہ کی طرف حضور ﷺ نے ایک سریہ بھیجا تھا جس کے قائد حضرت خالد تھے وہ لوگ اس سے پہلے مسلمان تو ہو چکے تھے لیکن اسلامی قواعد واصطلاحات سے روشناس نہ تھے جب مجاہدین نے ان پر حملہ کیا تو وہ زور زور سے کہنے لگے "صبانا صبانا" اس کا لفظی معنی تو یہ ہے کہ ہم بے دین ہو گئے۔ لیکن ان الفاظ سے ان کا مقصد یہ تھا کہ ہم نے اپنا آبائی دین چھوڑ دیا ہے اور نیا دین اسلام قبول کر لیا ہے۔ صحابہ کرام ان کے اس مفہوم کو نہ سمجھ سکے اور ان میں سے بیشتر کو تہ تیغ کر دیا

حضور ﷺ کی خدمت میں جب یہ واقع پیش کیا گیا تو حضور بہت برافروختہ ہوئے اور بڑے افسوس کے ساتھ یہ الفاظ کہے

"اللهم انی ابرئی الیك مما صنع خالد" اے اللہ خالد نے جو کچھ کیا ہے میں اس سے تیری جناب میں برأت کا اظہار کرتا ہوں"

حضور ﷺ نے ان مقتولین کی دیت بیت المال سے ادا کر دی لیکن نہ حضور ﷺ نے حضرت خالد کو ان کے قصاص میں قتل کیا اور نہ ان کو ان کے منصب سے معزول کیا۔ جو فیصلہ حضور ﷺ نے خالد کے بارے میں کیا تھا۔ حضور ﷺ کے جانشین صدیق اکبر نے بعینہ وہی فیصلہ فرمایا۔ اب کسی کو کیا حق پہنچتا ہے کہ بارگاہ صدیقی میں زبان طعن دراز کر سکے۔

اس کے علاوہ عہد نبوت میں متعدد واقعات رونپذیر ہوئے اور حضور ﷺ نے کسی سے قصاص نہیں لیا۔

ایک جنگ میں حضرت اسامہ نے ایک ایسے شخص کو قتل کر دیا جس نے لا الہ الا اللہ پڑھا تھا۔ حضور ﷺ کو پتہ چلا تو حضور ﷺ نے فرمایا

"یا اسامه اقتلته بعد ان قال لا اله الاالله" اے اسامہ تو نے اس کے بعد اس شخص کو قتل کیا جب اس نے لا الہ الا اللہ لا کا اقرار کرلیا۔

یہ جملہ حضور ﷺ نے تین مرتبہ دہرایا۔ اسامہ کے اس فعل پر اپنی ناراضگی کا اظہار کیا لیکن حضرت اسامہ سے نہ قصاص لیا اور نہ ان کو دیت ادا کرنے کا حکم دیا اور نہ یہ فرمایا کہ تم کفارہ ادا کرو۔

حالت جنگ میں اس قسم کے واقعات فوری طور پر رونپذیر ہوتے رہتے ہیں کہ جن کے بارے میں فیصلہ درست نہیں ہوتا۔ لیکن اس میں کسی قسم کی بدنیتی کا شائبہ نہیں ہوتا۔ اگر ایسے واقعات پر قائد لشکر سے قصاص کا مطالبہ شروع کر دیا جائے تو پھر جنگ ہو چکی۔

ہم ان لوگوں سے بڑے ادب کے ساتھ یہ پوچھنے کا حق رکھتے ہیں جو حضرت صدیق پر اعتراض کرتے ہوئے نہیں تھکتے کہ اگر ان سے کوئی شخص یہ پوچھے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے باوجود خلیفہ بااختیار ہونے کے حضرت عثمان کے قاتلوں سے کیوں قصاص نہیں لیا تو اس کا وہ کیا جواب دیں گے جو ان کا جواب ہوگا وہی جواب حضرت صدیق اکبر کی طرف سے قبول فرمالیں۔

اسی سلسلے میں دوسرا اعتراض مالک بن نویرہ کی زوجہ ام تمیم کے بارے میں کیا جاتا ہے کہ حضرت خالد نے مالک کے قتل کے فوراً بعد اسے اپنی زوجہ بنالیا حالانکہ انقضائے عدت سے پہلے اس کے ساتھ نکاح جائز نہیں تھا

اس کے بارے میں عرض ہے کہ عدت وفات کا گزارنا اس وقت ضروری ہوتا ہے جب خاوند مسلمان ہو ایک کافر اور مرتد کے قتل کے بعد اس کی بیوی پر عدت گزارنا ضروری نہیں ہے البتہ استبراء رحم ضروری ہے تا کہ یہ معلوم ہو جائے کہ وہ حاملہ نہیں اور وہ ایک حیض سے بھی ہو سکتا ہے اور اس قسم کی روایات کتاب معتبرہ میں موجود ہیں کہ آپ نے تین حیض گزارنے کے بعد اس کو نکاح کا پیغام بھیجا جو اس نے قبول کرلیا۔

علامہ ابن خلکان لکھتے ہیں:۔ وقیل انها اعتدت ثلاث حیض ثم خطبها علی نفسه فا جابته (وفیات الاعیان) کہ ام تمیم نے تین حیض گزار کر اپنی مدت پوری کی اور پھر حضرت خالد نے اسے نکاح کا پیغام بھیجا جو اس نے قبول کرلیا۔

اسی طرح علامہ ابن کثیر نے تصریح کی ہے فلما حلت بنی بها جب وہ شرعاً حلال ہوگئی تو آپ نے اسے اپنی زوجیت میں لیا

۲ دوسرا اعتراض:

حضرت صدیق اکبر پر معترضین کی طرف سے یہ الزام بھی عائد کیا جاتا ہے کہ شہداء جنگ موتہ کا انتقام لینے کے لیے سرور عالم ﷺ نے ایک لشکر ترتیب دیا۔ اس میں مہاجرین وانصار کے جلیل القدر بزرگ شامل تھے۔ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کا نام بھی ان مجاہدین میں شامل تھا۔ لیکن حضرت ابوبکر نہ خود گئے اور نہ حضرت عمر کو بھیجا حالانکہ حضور ﷺ نے تاکیدی حکم فرمایا تھا "جهزوا جيش اسامة لعن الله تعالىٰ من تخلف عنها" اسامہ کے لشکر کی تیاری کرو خدا اس شخص پر لعنت کرے جو اس کے پیچھے رہ جائے۔

وہ کہتے ہیں کہ اس فرمان نبوت کے بعد حضرت ابوبکر کی سیرت کے بارے میں ساری خوش فہمیاں ختم ہو جاتی ہیں۔

جواب:۔ معترضین نے اپنے دل کا غبار نکالنے کے لیے یہ اعتراض تو جڑ دیا لیکن ان حالات کا تفصیلی جائزہ لینے کی زحمت گوارا نہ کی جو اس وقت رونما ہوئے ورنہ وہ غلط فہمی اکی دلدل میں پھنس کر نہ رہ جاتے۔ حقیقت حال پیش خدمت ہے مطالعہ فرمائیے اور اپنے قلب سلیم سے فیصلہ کیجئے۔ ساری غلط فہمیاں دور ہو جائیں گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

۲۶ صفر بروز دوشنبہ حضور ﷺ نے ایک لشکر کو تیار کیا زید بن حارثہ شہید موتہ کے نوخیز فرزند حضرت اسامہ کو اس کا سپہ سالار مقرر کیا۔ ۲۸ صفر کو حضور ﷺ کی طبیعت ناساز ہوگئی اس کے باوجود حضور ﷺ نے دوسرے روز اپنے دست مبارک سے پرچم باندھا اور اسامہ کو حکم دیا "اغز بسم الله وفی سبیل الله وقاتل من کفر بالله" اللہ کا نام لے کر اللہ کے راستہ میں جہاد کے لیے روانہ ہو جاؤ جو شخص اللہ تعالیٰ کا منکر ہو اس کے ساتھ جنگ کرو۔

حضرت اسامہ یہ پرچم لیے ہوئے مقام جرف پر آ کر رکے اور مجاہدین کا انتظار کرنے لگے۔ بدھ کے روز مرض نے شدت اختیار کرلی۔ پنجشنبہ کی رات کو فخر عالم ﷺ نے حضرت ابوبکر کو حکم دیا وہ نماز میں لوگوں کی امامت کا فریضہ انجام دیں۔ گویا ابتداء میں حضور ﷺ نے آپ کو اسامہ کے لشکر کا سپاہی مقرر کیا لیکن پھر حضور ﷺ نے اپنی علالت کی وجہ سے حضرت صدیق کو اپنی مسجد کا امام مقرر فرمایا اور سب لوگوں کو حکم دیا کہ وہ حضرت صدیق کی اقتداء میں نماز ادا

کریں۔ ڈیوٹی میں تبدیلی حضرت صدیق اکبر نے اپنی مرضی سے نہیں کی بلکہ حضرت رسالت مآب ﷺ نے فرمائی۔ آپ کا تخلف حضور ﷺ کے حکم سے تھا نہ کہ اپنی مرضی سے اور جو کام صدیق اکبر نے اپنے مرشد برحق کے ارشاد کے مطابق سرانجام دیا اس پر کسی کو اعتراض کرنے کا کیا حق ہے۔

حضور سرور دوعالم ﷺ کے وصال کے بعد امت مسلمہ نے بالاتفاق آپ کو خلیفۃ الرسول کے منصب کے لیے چن لیا اب صرف اسامہ کے لشکر کی تیاری ہی آپ کا فرض نہیں رہا تھا بلکہ مملکت اسلامیہ کو داخلی اور بیرونی ہر قسم کے خطرات سے محفوظ کرنا آپ کی منصبی ذمہ داری ہو گئی تھی۔ آپ جانتے ہیں کہ حضور ﷺ کے وصال کے سانحہ کے بعد یکا یک ارتداد و بغاوت کی آندھیاں چلنی شروع ہو گئیں تھیں۔ وہی قبائل جو کل تک اپنے آپ کو مسلمان کہتے تھے اب اسلام کی بنیادی تعلیمات کا انکار کرنے لگے۔ ان حالات کے پیش نظر اکابر صحابہ نے یہ مشورہ دیا کہ اسامہ کے لشکر کی روانگی کو کچھ وقت کے لیے ملتوی کر دیا جائے ایسا نہ ہو کہ دارلسلطنت کو خالی دیکھ کر دشمن یلغار کر دے۔ بیشک مصلحت کا تقاضا تو یہی تھا۔ بظاہر حالات بھی اس تجویز کی تائید کر رہے تھے۔ لیکن حضرت ابوبکر صدیق کا ایمان اور یقین اس تجویز کو قبول کرنے کے لیے تیار نہ ہوا آپ نے فرمایا ”جس لشکر کا پرچم رحمت عالم ﷺ نے اپنے دست مبارک سے باندھا ہے۔ ابوبکر کی مجال نہیں کہ اس کو کھول سکے۔ حالت کیسے ہی ابتر اور سنگین کیوں نہ ہوں یہ لشکر نبی اکرم ﷺ کی مقرر کردہ مہم کو سر کرنے کیلئے ضرور جائے گا۔ پھر پورے ساز و سامان کے ساتھ حضرت صدیق نے جیش اسامہ کو الوداع کہی اور چند ہفتوں کے بعد فتح و نصرت کے پھریرے لہراتا ہوا یہ لشکر بخیر و عافیت مدینہ منورہ واپس آ گیا۔

ان حالات میں اس لشکر کو روانہ کرنا اس کے لیے ہر قسم کا اسلحہ اور ساز و سامان مہیا کرنا تمام مصلحتوں اور خطرات کو پس پشت ڈالتے ہوئے اتنی بعید مسافت پر اس کو بھیجنا حضرت صدیق کا وہ کارنامہ ہے جس پر اسلام اور ایمان کو ناز ہے۔

گر نبیند بروز شپرہ چشم
چشمۂ آفتاب راچہ گناہ

نیز یہ جملہ ”جھــــزوا الــخ“ جو ان لوگوں نے حضور ﷺ کی طرف منسوب کیا ہے اہلسنت کی کسی معتبر کتاب میں موجود نہیں ہے یہ ان لوگوں کی خانہ زاد اختراع ہے جو آفتاب صدیقیت کی تاب نہیں لا سکے۔

تیسرا اعتراض:۔ معترضین کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکر نے خود اعتراف کیا!

ان لی شیطانا یعترینی فان استقمت فاعینونی وان زغت فقومونی یعنی ایک شیطان ہے جو مجھ پر اثر انداز ہونے کی کوشش کرتا رہتا ہے اگر میں سیدھے راستے پر چلوں تو میری امداد کرو اور اگر کجی اختیار کروں تو مجھے درست کرو۔ معترضین کہتے ہیں کہ آپ شیطان کے زیر اثر ہیں۔ وہ جب چاہے آپ کو راہ راست سے بہکا سکتا ہے۔ ایسا شخص تو امامت و خلافت کے منصب کا ہرگز سزاوار نہیں۔

جواب:۔ اس کے متعلق پہلی گذارش تو یہ ہے کہ اہل سنت کی کسی معتبر کتاب میں یہ قول موجود نہیں بلکہ ان حضرات کا طبع زادہ ہے جو صحابہ کرام کی شان کی تنقیص میں ہر لحہ جدت طرازیاں کرتے رہتے ہیں اس لیے اس کے جواب کی ذمہ داری ہم پر عائد ہی نہیں ہوتی اور اگر ایک لحہ کے لیے یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ یہ آپ کا ہی قول ہے تو اس میں قباحت کونسی ہے اللہ کے بندے ہر وقت اپنے نفس کی وسوسہ اندازیوں سے چوکنے رہتے ہیں۔ شیطان کی دسیسہ کاریوں سے بچنے کے لیے مصروف عمل رہتے ہیں کیا آپ نے حضرت یوسف علیہ السلام کا یہ قول نہیں پڑھا جسے زبان قدرت نے قرآن مجید میں نقل فرمایا

”وما ابرئ نفسی ان النفس لامارة بالسوء الامارحم ربی “ آپ نبی ہیں صدیق ہیں گلشن خلیل کے گل سرسبد ہیں لیکن بایں ہمہ فرماتے ہیں کہ میں اپنے نفس کی برآت کا دعویٰ نہیں کرتا۔ بیشک نفس کا کام ہی یہ ہے کہ وہ برائی کا بکثرت حکم دیتا ہے مگر جس پر اللہ تعالیٰ رحم فرمائے وہ اس کی زد سے محفوظ رہتا ہے

یہ عجز و نیاز کا مقام ہے جتنا کسی کا رتبہ بلند و بالا ہوتا ہے اتنا ہی اس میں سرافگندگی اور اعتراف عبدیت کا جذبہ شدید ہوتا ہے۔ یہ اس کے کمال کی دلیل ہے نہ کہ وجہ نقص و عیب، امام الاتقیاء سید الاولیاء حضرت علی المرتضیٰ کا ارشاد گرامی ہے

”لاتکفوا عن مقالة بحق او مشورة بعدل فانی لست بفوق ان اخطی ولا امن ذلك من فعلی“ (نہج البلاغہ) یعنی حق بات کہنے سے اور عدل کا مشورہ دینے سے باز نہ رہا کرو کیوں کہ میں اپنے آپ کو خطا سے بلند خیال نہیں کرتا۔ اور نہ مجھے یہ یقین ہے کہ میرا ہر فعل درست ہے۔ سیدنا علی المرتضیٰ کا یہ ارشاد آپ کی رفعت شان کی دلیل ہے اس لئے یہ معنی اخذ کرنا کہ آپ خطا کار تھے یا آپ کے افعال قابل اعتماد نہ تھے پھر اس سے یہ نتیجہ نکالنا کہ آپ منصب امامت کے اہل نہ تھے حد درجہ کی نادانی اور ابلہی ہے۔

حضرت امام زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ جن کی زندگی کا ہر ہر لحہ ذکر الٰہی اور اطاعت الٰہی میں بسر ہوا۔ جن کے دامن عصمت پر خطا اور غفلت کا کوئی داغ موجود نہیں بارگاہ الٰہی میں دست دعا پھیلاتے ہیں اور یوں عجز و نیاز کا اظہار کرتے ہیں قد ملک الشیطن عنانی فی سوء الظن وضعف الیقین وانی اشکوسوء مجاورة وطاعة نفسی لہ استعصمک من ملکة والتضرع الیک فی صرف کیدہ عنی (صحیفہ کاملہ سجادیہ ص ۱۱۶ مطبوعہ تہران) ترجمہ:۔ (الٰہی) شیطان میری باگ کو پکڑ کر مجھے ضعف یقین اور (تیری رحمت سے) بدگمانی کی طرف کھینچ رہا ہے اور اب اپنے بارے میں اس کی ہمسائیگی کی برائی اور اس کی اطاعت کیشی سے میں تیری جناب میں شکوہ سنج ہوں اس کے غالب آنے سے میں تیری پناہ ڈھونڈتا ہوں بڑی عاجزی اور زاری سے درخواست کرتا ہوں کہ اس کے مکر و فریب کو مجھ سے دور کر دے۔

بارگاہ رب العزت میں امام معصوم کی یہ درخواست عجز و نیاز کا ایک لاجواب مرقع ہے۔ جو صرف آپ کے مقام رفیع اور ذات ستودہ صفات کے شایان شان ہے اگر کوئی بد دماغ اس عبارت کو پڑھ کر آپ کی علو مرتبت کا انکار کرتا ہے یا اس اعتراف کے پیش نظر آپ کو منصب امامت کا اہل نہیں گردانتا تو یہ اس کی بدبختی اور حرماں نصیبی کی انتہا ہے۔اسی ارشاد پر آپ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف منسوب اس قول کو محمول کر لیجیے۔

اگر آپ اس خود ساختہ روایت کا سہارا لیکر بارگاہ صدیقی میں زبان طعن دراز کرنے پر مصر ہوں گے تو بات یہاں پر ختم نہیں ہو جائیگی بلکہ ان اولوالعزم ہستیوں کے بارے میں آپ گستاخ لوگوں کو زبان درازی کا زریں موقع فراہم کر دیں گے۔

چوتھا اعتراض:

یہ صاحبان جولانی طبع کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکر نے فرمایا اقیلونی فلست بخیر کم وعلی فیکم ۔مجھے بیعت خلافت سے سبکدوش کر دو میں تم میں سے بہتر نہیں ہوں جب کہ علی تم میں موجود ہیں۔یہ جملہ نقل کرنیکے بعد معترضین کہتے ہیں کہ اگر آپ خلیفہ برحق تھے تو آپ کا مستعفی ہونا معصیت تھا اور اگر آپ خلیفہ برحق نہیں تھے بلکہ جبراً مسند خلافت پر متمکن ہو گئے تھے تو پھر آپ کے بارے میں کچھ کہنا تحصیل حاصل ہے۔

جواباً گذارش ہے کہ یہ عبارت بھی اہل سنت کی کتب احادیث میں سے کسی معتبر کتاب میں موجود نہیں اور نہ اس کی سند کا سراغ لگ سکتا ہے۔یہ عبارت اپنی اس ترتیب کے ساتھ بھی یاران ستم کیش کی طبع فتنہ زا کا اختراع ہے۔

پانچواں اعتراض:

اس اعتراض کو بھی بڑے زور شور سے اچھالا جاتا ہے اور اس سے شان صدیق کی تنقیص ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی جاتی ہے۔اسے بھی سماعت فرمایئے پھر حقیقت حال پیش خدمت کی جائے گی آپ بآسانی کسی نتیجہ پر پہنچ جائیں گے۔

وہ کہتے ہیں کہ ۹ ہجری میں حجاج کا جو قافلہ مدینہ منورہ سے روانہ ہوا اس کے امیر حضرت ابوبکر صدیق مقرر ہوئے۔نیز آپ کو یہ حکم دیا گیا کہ وہاں جا کر حج کے موقع پر سورت برآت کا اعلان کر دیں۔اس قافلہ کے روانہ ہونے کے بعد حضور ﷺ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو پیچھے روانہ کیا تا کہ وہ مکہ جا کر سورت برآت کا اعلان کریں۔معلوم ہوا کہ حضرت ابوبکر صدیق کو حضور ﷺ نے اس منصب کے اہل نہ سمجھا اور معزول کر دیا۔اور وہ قافلہ حجاج کے امیر بھی نہیں بن سکتے تو ساری امت مسلمہ کے امیر کیوں کر بن سکتے ہیں۔

یہ تو ہوئی ان کی بات اب حقیقت حال پر غور کریں۔

۶ ھ کو صلح حدیبیہ کا واقعہ پیش آیا۔شرائط صلح میں سے ایک شرط یہ تھی کہ اس دفعہ مسلمان واپس چلے جائیں اور آئندہ سال وہ حج ادا کرنے کے لیے آ سکتے ہیں۔چنانچہ ۷ ھ میں حجاج کرام کا ایک قافلہ تیار ہوا۔اہم مصروفیات کے باعث سرور دو عالم ﷺ خود تشریف نہ لے جا سکے اور اپنی جگہ حضرت ابوبکر صدیق کو امیر قافلہ متعین فرما دیا۔

ایک روایت کے مطابق سورہ برآت نازل ہو چکی تھی۔حضور ﷺ نے حضرت ابوبکر کو حکم دیا کہ حج کے موقع پر جب جزیرہ عرب کے اطراف و اکناف سے حج کے لیے لوگ جمع ہو جائیں۔وہاں سورہ برآت کا اعلان کر دیں۔وہ قافلہ ابوبکر صدیق کی قیادت میں مکہ مکرمہ روانہ ہوا۔بعد میں نبی کریم ﷺ نے حضرت علی کا حکم دیا کہ وہ جائیں اور عرفات کے میدان میں حضور ﷺ کی طرف سے سورہ برآت کا اعلان کریں۔حضرت صدیق اکبر مکہ منورہ کی طرف رواں دواں تھے کہ اچانک حضور ﷺ کی اونٹنی قصویٰ کی آواز آپ کے کانوں میں گونجی۔فوراً رک گئے اور بڑی بے چینی سے انتظار کرنے لگے۔خیال ہوا کہ سرکار بنفس نفیس حج کے لیے تشریف لا رہے ہیں۔لیکن ناقہ سوار پہنچا تو معلوم ہوا کہ اونٹنی پر سیدنا علی کرم اللہ وجہہ سوار ہیں۔صدیق اکبر نے پہلا سوال یہ کیا (انت امیر اور مامور) کیا آپ قافلہ حجاج کے امیر بن کر تشریف لائے ہیں یا مامور بن کر یعنی دوسرے عام حاجیوں کی قافلہ میں شرکت کے لیے پہنچے ہیں۔آپ نے جواب دیا ''بل مامور'' کہ امیر قافلہ بدستور آپ ہی ہیں میں مامور بن کر آیا ہوں۔چنانچہ اس سفر میں سیدنا علی ابوبکر صدیق کی امامت میں نمازیں ادا کرتے رہے۔آپ کی قیادت میں تمام ارکان حج ادا کرتے رہے یوم ترویہ یعنی آٹھ ذوالحج سے ایک دن پہلے حضرت صدیق اکبر نے بحیثیت امیر حج تمام لوگوں کو جمع کیا۔خطبہ ارشاد فرمایا اور اس میں حج کے اسلامی طریقے سے انہیں روشناس کیا۔حضرت علی فقط اس مقصد کے لیے بھیجے گئے تھے کہ کفار و مشرکین کے ساتھ جو معاہدہ ہوا تھا اس کے کالعدم ہونے کا اعلان کریں اور لوگوں کو بتائیں کہ اس سال کے بعد کسی کافر کو بیت اللہ شریف کا حج کرنے کی اجازت نہ ہو گی۔عہد جہلیت کے رواج کے مطابق کوئی شخص ننگا ہو کر طواف نہ کر سکے گا۔اعتراض تو تب درست ہوتا اگر حضور ﷺ نے ابوبکر صدیق کو قافلہ حجاج کی امارت سے معزول کر دیا ہوتا اور ان کے بجائے حضرت علی المرتضٰے امیر مقرر ہوتے۔جب ایسا نہیں ہوا اور حضرت ابوبکر صدیق بدستور امیر قافلہ کے فرائض انجام دیتے رہے تو پھر محل اعتراض کیا ہے، رہی یہ بات کہ حضور ﷺ نے سورہ برآت کے اعلان کے لیے حضرت علی کو کیوں بھیجا۔اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ یہ سورت ابوبکر صدیق کی روانگی کے بعد نازل ہوئی۔تفسیر بیضاوی مدارک، نیشاپوری جذب القلوب اور دیگر مستند کتب میں اسی روایت کو ترجیح دی گئی ہیم اور علماء حدیث کے نزدیک بھی یہی روایت قابل ترجیح ہے۔لیکن دوسری روایت سے پتہ چلتا ہے کہ یہ سورت پہلے نازل ہو چکی تھی۔اور حضرت ابوبکر صدیق کو اس کے اعلان کا حکم بھی دیا گیا تھا۔اس صورت میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھیجنے کا ایک وجہ یہ ہے کہ عرب میں یہ دستور تھا کہ جب معاہدہ کو کالعدم قرار دینا مقصود ہوتا تو اس کا اعلان معاہدہ کرنے والا خود کرتا یا اس کا کوئی قریبی رشتہ دار۔کیونکہ سورہ برآت کا اعلان عرب کے غیر مسلم باشندوں کے سامنے کیا جانا تھا جو اسلامی قواعد و ضوابط سے ناواقف تھے۔اس لیے ان کے مروجہ طریقہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے

حضرت علی المرتضٰی کرم اللہ وجہہ کو روانہ فرمایا۔تا کہ وہ کفار اور مشرکین کے مجمع میں سابقہ معاہدوں کے کالعدم ہونے کا اعلان فرمادیں۔

چھٹا اعتراض:

صحابہ کرام خصوصاً خلفاء راشدین کے بے رحم نقاد بڑی سنگدلانہ جسارت سے یہ پروپیگنڈا کرتے ہوئے نہیں تھکتے کہ حضور نبی کریم ﷺ کی نماز جنازہ میں حضرت ابوبکر اور حضرت عمر فاروق شامل نہیں ہوئے یہ حصول اقتدار کی جنگ میں یوں مصروف ہوگئے کہ سرور دو عالم ﷺ کی تجہیز و تکفین کے فرائض کی ادائیگی کا انہیں خیال ہی نہ رہا۔

کہنے کو تو انسان جو جی چاہے کہتا رہے اور لکھنے کو جو جی میں آئے لکھتا رہے۔آزادی کا زمانہ ہے کوئی کسی سے یہ پوچھنے کا حق نہیں رکھتا کہ میاں حق وصداقت کا منہ کیوں چڑا رہے ہو۔اس سعی لاحاصل سے باز آجاؤ۔لیکن کسی کے کہنے یا کسی کے لکھنے سے حقیقت تو بدل جایا نہیں کرتی۔تاریخ کے انمٹ واقعات تو مسخ نہیں کیے جاسکتے۔

سب سے پہلی بات یہ کہ نبی کریم ﷺ کی نماز جنازہ اس طرح نہیں پڑھی گئی جس طرح عام لوگوں کی پڑھی جاتی ہے کہ لوگ صفیں باندھ کر کھڑے ہوجاتے ہیں امام آگے بڑھتا ہے بلند آواز سے متعدد بار تکبیریں کہتا ہے۔سلام پھیرتا ہے اورس طرح نماز جنازہ اختتام پذیر ہوجاتی ہے۔بلکہ اہل سنت اور اہل تشیع سب متفق ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ کی نماز جنازہ ایک مخصوص طریقے سے پڑھی گئی۔حضور ﷺ کو غسل دینے کے بعد کفن پہنایا گیا اور لحد مبارک کے کنارے پر چارپائی رکھ دی گئی۔دس دس آدمی اندر داخل ہوتے صف باندھ کر کھڑے ہوتے پہلے حضور ﷺ ہر درود وسلام بھیجتے پھر حضور ﷺ کی رسالت کی گواہی دیتے اور باہر نکل آتے۔یہ سلسلہ سوموار کی سہ پہر سے شروع ہوا اور بقیہ دن آئندہ رات اور منگل کا دن اسی طرح لوگ گروہ در گروہ اپنے آقا کی خدمت میں حاضر ہوتے رہے اور ہدیۂ صلوٰۃ وسلام پیش کرتے رہے۔پہلے حضور ﷺ کے خاندان نے یہ شرف حاصل کیا پھر مہاجرین وانصار صف در صف حاضر ہوتے رہے جب سارے مرد نماز جنازہ پڑھ چکے پھر عورتوں کی باری آئی ان کے بعد بچوں نے یہ شرف حاصل کیا یہاں تک کہ کوئی غلام اور لونڈی بھی ایسی نہ رہی جس نے حاضری نہ دی ہو۔اور حضرت ابوبکر اور حضرت عمر فاروق کے متعلق تو صراحتاً مذکور ہے کہ آپ حجرہ شریف میں داخل ہوئے تو روان کے ہمراہ مہاجر اور انصار بھی تھے۔اور انہوں نے عرض کیا "السلام علیک ایھا النبی ورحمتو برکاۃ" پھر حضور ﷺ کی نبوت اور رسالت کی گواہی دی۔نماز جنازہ کی یہ کیفیت کتب اہل سنت میں مذکور ہے اب شیعہ حضرات کی معتبر کتب کے حوالے ملاحظہ کیجئے تا کہ غلط فہمی آپ کے ذہن سے نکل جائے۔

اصول کافی جوان حضرات کی معتبر ترین حدیث کی کتاب ہے اس میں امام محمد باقر سے نقل کرتے ہیں۔

ابو مریم انصاری نے امام محمد باقر سے پوچھا کہ نبی کریم ﷺ پر نماز نجازہ کی کیفیت بتایئے آپ نے فرمایا جب امیر المومنین نے حضور ﷺ کو غسل دیا اور کفن پہنایا تو اوپر چادر ڈال دی پھر حجرہ میں دس آدمی داخل ہوگئے جو حضور ﷺ کے اردگرد دائرہ بنا کر کھڑے ہوگئے امیر المومنین درمیان میں کھڑے ہوگئے اور یہ آیت تلاوت کی ان اللہ وملائکۃ الا یہ لوگ آپ کی زبان سے جو نکلتا اس کو دہراتے رہے یہاں تک کہ تمام اہل مدینہ اور اردگرد کی بستیوں میں رہنے والوں نے نماز جنازہ ادا کی

اسی کتاب کی دوسری حدیث جس کے راوی امام صادق ہیں اس میں سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ ارشاد منقول ہے "اے لوگو! رسول اللہ ﷺ اپنی زندگی میں بھی اور وفات کے بعد بھی سب کے امام ہیں۔حضور ﷺ نے فرمایا مجھے اس جگہ دفن کیا جائے جہاں میری روح قبض ہوگی۔پھر علی المرتضٰی حجرہ کے دروازے پر کھڑے ہوئے نماز جنازہ پڑھی پھر لوگوں کو حکم دیا کہ دس دس داخل ہو کر نماز جنازہ پڑھتے رہیں اور نکلتے رہیں۔" اسی کتاب میں ایک اور حدیث مذکور ہے۔

"عن ابی جعفر علیہ السلام لما قبض النبی ﷺ صلت علیہ الملائکۃ والمھاجرون والنصار فوجا فوجا" یعنی امام محمد باقر فرماتے ہیں۔کہ حضور ﷺ کے وصال کے بعد پہلے فرشتوں نے پھر تمام مہاجرین وانصار نے فوج در فوج اور گروہ در گروہ حجرہ شریفہ میں داخل ہو کر نماز جنازہ ادا کی

اسی کتاب کے مترجم ایۃ اللہ الحاج الشیخ محمد باقر الکمرئی فارسی ترجمہ کے بعد لکھتے ہیں طبری نے اپنی مشہور کتاب الاحتجاج میں لکھا ہے۔"پہلے حضرت علی نے اہل بیت کے ساتھ نماز جنازہ ادا کی اس کے بعد دس دس مہاجرین اور انصار کو داخل کرتے اور چلے جاتے ہیں تا کہ تمام مہاجرین اور انصار نے نماز جنازہ کا شرف حاصل کیا۔

جب دو روز تک اور بعض روایات کے مطابق تین روز تک رات دن نماز جنازہ کا سلسلہ جاری رہا اور ان کی اپنی تصریحات کے مطابق مہاجرین اور انصار میں سے کوئی بھی ایسا نہ رہا جس نے نماز جنازہ کی سعادت حاصل نہ کی ہو۔تو پھر یہ پروپیگنڈا کرنا کہ حضرت صدیق اکبر اور حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنھما نے نماز جنازہ نہیں پڑھی عقل وانصاف کے سراسر خلاف ہے لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

صداقت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور تائید سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ بزبان شیعہ

علامہ شفقات احمد نقشبندی

مجلہ الحقیقہ کے حقیقت شعار اور حقیقت شناس قارئین کرام۔ ویسے تو جناب رسول اللہ صلیٰ اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم اپنے زمانہ ءظاہری ہی میں یہ اعلان عام فرما چکے تھے۔ الخلافۃ بعدی ثلاثون سنۃ (مروج الذھب از شیعہ مئورخ علامہ مسعودی جلد نمبر 2 صفحہ نمبر 429 مطبوعہ بیروت) کہ خلافت حقہ میرے بعد تیس برس تک ہوگی۔ نیز علامہ مسعودی نے ان تیس سالوں کی توضیح بھی کر دی ہے۔

ان ابا بکر الصدیقؓ تقلدھا سنتین و ثلاثۃ اشھر و ثمانیۃ ایان و عمرؓ عشر سنین و سنۃ اشھر و اربع لیال و عثمانؓ احدی عشرۃ سنۃ و احمد عشر شھرا و ثلاثۃ عشر یوما و علیؓ اربع سنین و سبع اشھر الا یوما و الحسنؓ ثمانیۃ اشھر و عشرۃ ایام فذ الک ثلاثون سنۃ (حوالہ بالا)

یعنی جناب سیدنا ابوبکر صدیق کا زمانہءخلافت دو سال تین ماہ آٹھ دن جناب سیدنا عمر فاروق کا دس سال چھ ما اور چار راتیں، جناب سیدنا عثمان ذوالنورین کا گیارہ سال گیارہ ماہ اور تیرہ دن اور جناب سیدنا علی مرتضےٰ کا چار سال ایک دن کم سات ماہ اور سیدنا امام حسن کا آٹھ ماہ اور دس دن تھا۔ (رضی اللہ تعالیٰ عنھم اجمعین) ۔تو یہ تمام ملا کر تیس سال ہو گئے۔ نیز جناب رسول ﷺ یہ بھی ارشاد فرما چکے تھے۔ خدا ایشاں را از گرسنگی نمی کشد و ایشان را بر گمراہی جمع نکند (حیات القلوب جلد نمبر ۲ صفحہ نمبر ۲۵۹ مطبوعہ نولکشور۔ خصال شیخ صدوق مترجم جلد نمبر ا صفحہ نمبر ۱۱۱ وغیرہ) یعنی آپ ﷺ کی امت مرحومہ کے خصائص میں سے یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے .... گمراہی پر جمع نہیؒ ہونے دے گا۔ نیز جناب سیدنا علی المرتضےٰؓ کا یہ فرمان ہدایت نشان بھی اس مسئلہ پر ایک برہان قطع ہے۔ انما الشوری للمهاجرين والانصار فان اجتمعوا علی رجل و سموہ اماما کان ذالک للہ رضی (نہج البلاغہ مکتوب نمبر ۶ صفحہ نمبر ۳۶۷ مطبوعہ بیروت) یعنی جناب امیر المومنینؓ نے فرمایا۔

بے شک شوریٰ کا حق مہاجرین وانصار (صحابہ کرام علیھم الرضوان) ہی کو ہے۔ پس یہ حضرات جس شخص کی امامت وخلافت پر بھی متفق ہو جائیں تو وہ ہی امام اور خلیفہ اللہ تعالیٰ کا بھی پسندیدہ ہوگا۔ (جناب امیرؓ کے اس فرمان ذیشان سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ امام ما مور من اللہ نہیں ہوتا بلکہ اس کا انتخاب اہل ایمان مجلس شوریٰ کے فیصلے پر ہوتا ہے) اور تمام اپنے پرائے اس حقیقت سے بخوبی واقف ہیں کہ جناب سیدنا ابوبکر صدیقؓ جناب رسول اللہ ﷺ کے وصال شریف بعد تمام مہاجرین وانصار بشمول جناب سیدنا علی المرتضےٰؓ کے متفقہ فیصلے سے امیر المومنین اور خلیفہ رسول بنے تھے لہٰذا آپکے خلیفہ برحق اور خلیفہ بلافصل ہونے پر اتنے دلائل بھی ہر غیر متعصب اور حق شناس شخص کے لیے کافی ہیں۔ اور اس پر مستزاد یہ کہ جناب روسول کریم ﷺ نے ام المومنین سیدہ حفصہؓ کے سامنے نام لے کر بھی اس بات کا اظہار فرما دیا تھا۔ ان ابا بکر یلی الخلافۃ بعدی ثم بعدہ ابوک (تفسیر منہاج الصادقین نمبر ۹ صفحہ نمبر ۳۳۰ تفصیر مجمع البیان نمبر ۵ صفحہ نمبر ۳۱۴۔ تفسیر صافی جلد نمبر ۲ صفحہ نمبر ۲۱۶، تفسیر قمی نمبر ۲ صفحہ نمبر ۳۸۷ زیر آیت سورۃ تحریم) یعنی میرے بعد ابوبکر خلیفہ ہوں گے اور ان کے بعد تیرے باپ عمر خلیفہ ہوں گے۔ اور پھر جناب مخبر صادق ﷺ نے اس پیش گوئی کی نسبت بھی خداوند علیم وخبیر کے ساتھ بیان فرمائی ہے اس نامزد فرمان نبوی ﷺ کو پڑھ اور سن لینے کے بعد تو مزید کسی دلیل کی ضرورت باقی نہیں رہتی اور مسئلہ خلافت شیخین مکمل طور پر حل ہو جاتا ہے۔ نیز یہ آیت جلیلہ وعد اللہ الذین أمنو امنکم وعملو الصالحات لیستخلفنھم فی

الارض.......الخ (سورہ نور) بھی اس مسئلہ میں بین دلیل ہے۔چنانچہ تفسیر صافی نمبر۲ص ۷۷ا مطبوعہ تہران میں اس آیت کی تفسیر میں لکھا لیجعلنھم خلفاء بعد نبیکم یعنی تم میں سے ان صحابہ کرام کو جو ایمان اور اعمال میں دیگر تمام صحابہ سے افضل و اعلیٰ ہیں انہیں (بالترتیب) جناب رسول اللہ ﷺ کے وصال شریف کے بعد خلیفہ بنائے گا۔چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مشیت کے مطابق خلفاء راشدین کو ان کے مقامات کے مطابق ہی عمریں بھی عطا فرمائیں اور اسی مناسبت سے ان کو خلافتیں بھی عطا فرمائیں۔اور یہ ترتیب بھی ایسی حکمت الٰہیہ کے مطابق ہے کہ اگر ان میں سے ایک بھی ہستی کا مقام خلافت تبدیل کر دیا جائے تو یقیناً کوئی نہ کوئی خلافت سے محروم رہ جائے گا۔مثلاً حضرت علی پہلے خلیفہ ہوتے تو خلفاء ثلاثہ کی باری نہ آتی۔اگر جناب عمر پہلے خلیفہ ہوتے تو جناب ابوبکر کی باری رہ جاتی۔اگر جناب عثمان پہلے خلیفہ ہوتے تو شیخین کریمین ان کے دور خلافت ہی میں انتقال فرما جاتے۔اور ان کو خلافت نہ مل سکتی۔اللہ اکبر سچ ہے فعل الحکیم لا یخلو عن الحکمۃ۔مشیت ایزدی نے ایسا پروگرام مرتب فرمایا اور اس حساب سے ان عمریں بھی عطا فرمائیں کہ سب کی باری بھی آجائے اور حفظ مراتب بھی قائم رہے۔سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر۔

نیز آیت کریمہ یا ایھا الذین امنوا من یرتد منکم عن دینہ فسوف یاتی اللہ بقوم یحبھم ویحبونہ.....الخ (سورہ مائدہ)۔بھی خلافت سیدنا صدیق اکبر کی حقانیت پر ایک پختہ دلیل ہے۔کیونکہ مرتدین کا قلع قمع جناب سیدنا صدیق اکبر ہی کے دست حق پرست پر ہوا تھا۔جیسا کہ شیعی تفسیر مجمع البیان نمبر۲ص ۲۰۸جز۳مطبوعہ تہران میں ہے۔واختلف فی من وصف بھذہ الاوصاف منھم فقیلھم ابوبکر و اصحابہ الذین قاتلوا اھل الردۃ۔

نیز یہ آیہء جلیلہ وعد اللہ الذین امنو امنکم وعملو الصالحات لیستخلفنھم فی الارض........الخ (سورہ نور) بھی اس مسئلہ میں ایک بین دلیل ہے۔چنانچہ تفسیر صافی نمبر۲ص ۷۷ا مطبوعہ تہران میں اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے لیجعلنھم خلفاء بعد نبیکم یعنی اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ ہے کہ تم میں سے ان صحابہ کرام کو جو ایمان اور اعمال میں دیگر تمام صحابہ سے افضل و اعلیٰ ہیں انہیں (بالترتیب) جناب رسول اللہ ﷺ کے وصال شریف کے بعد خلیفہ بنائے گا۔چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مشیت کے مطابق خلفاء راشدین کو ان کے مقامات کے مطابق ہی عمریں بھی عطا فرمائیں اور اسی مناسبت سے ان کو خلافتیں بھی عطا فرمائیں۔اور یہ ترتیب بھی ایسی حکمت الٰہیہ کے مطابق ہے کہ اگر ان میں سے ایک بھی ہستی کا مقام خلافت تبدیل کر دیا جائے تو یقیناً کوئی نہ کوئی خلافت سے محروم رہ جائے گا۔مثلاً حضرت علی پہلے خلیفہ ہوتے تو خلفاء ثلاثہ کی باری نہ آتی۔اگر جناب عمر پہلے خلیفہ ہوتے تو جناب ابوبکر کی باری رہ جاتی۔اگر جناب عثمان پہلے خلیفہ ہوتے تو شیخین کریمین ان کے دور خلافت ہی میں انتقال فرما جاتے۔اور ان کو خلافت نہ مل سکتی۔اللہ اکبر سچ ہے فعل الحکیم لا یخلو عن الحکمۃ۔مشیت ایزدی نے ایسا پروگرام مرتب فرمایا اور اس حساب سے ان عمریں بھی عطا فرمائیں کہ سب کی باری بھی آجائے اور حفظ مراتب بھی قائم رہے۔سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر۔ نیز افضلیت جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پر جناب علی رضی اللہ عنہ کا یہ فرمان ذیشان بھی آپ کی خلافت حقہ اور خلافت بلافصل پر ایک مضبوط دلیل ہے۔کما عھم بعد بینھم علی خیر ھم (تلخیص الشافی نمبر۲ص ۲۲۷مطبوعہ قم) اس کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کے بعد امت محمدیہ کو امت کے بہترین شخص پر جمع فرمایا (سبحان اللہ) (نیز مفہوماً شرح نہج البلاغہ ابن میثم نمبر۴ ص۳۶۲)

آیت کریمہ یا ایھا الذین امنوا من یرتد منکم عن دینہ فسوف یاتی اللہ بقوم یحبھم ویحبونہ..... الخ (سورہ مائدہ)۔بھی خلافت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی حقانیت پر ایک پختہ دلیل ہے۔کیونکہ مرتدین کا قلع قمع جناب سیدنا صدیق اکبر ہی کے دست حق پرست پر ہوا تھا۔جیسا کہ شیعی تفسیر مجمع البیان نمبر۲ ص۲۰۸جز۳مطبوعہ تہران میں ہے۔واختلف فی من وصف بھذہ الاوصاف منھم فقیل ھم ابوبکر و اصحابہ الذین قاتلوا اھل الردۃ۔یعنی اس آیت کریمہ میں جن ایمان والوں کی چند صفات بیان کی گئی ہیں۔

☆......وہ لوگ اللہ سے محبت رکھتے ہیں اور اللہ ان سے محبت فرماتا ہے

☆......ایمان والوں پر بڑے نرم ہیں ☆ کافروں پر بڑے سخت ہیں۔

☆......اللہ کے راستے میں جہاد کریں گے۔☆ کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پرواہ نہیں کرتے۔

☆......اللہ تعالیٰ کے فضل والے ہیں۔

☆......ان ایمان والوں کو ان مرتدوں کا محاسبہ اور قلع قمع کرنے کیلئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کیا گیا ہے۔یعنی یہ خدا کی فوج ہے۔سبحان اللہ۔واقعی یہ خدا کا بہت بڑا فضل ہے۔اس کے متعلق کئی اقوال ہیں کہ ان سے کون مراد ہے۔اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان سے مراد جناب ابوبکر صدیق اور آپ کے وہ ساتھی ہیں جنہوں نے مرتدین سے جہاد فرمایا تھا۔الفضل ما شھدت بہ الاعداء۔بلکہ کتب شیعہ میں تو یہ بھی ہے کہ جناب امام باقر کا بیان ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے بارگاہ خداوندی میں جناب علی المرتضیٰ کی خلافت بلافصل کے بارے میں دعا کی لیکن اللہ تعالیٰ نے آپکی یہ دعا قبول نہ فرمائی۔روایت کے الفاظ یہ ہیں "قرات عن ابی جعفر علیہ السلام (لیس لک من الامر شئی)..... قال ان رسول اللہ حرص ان یکون الامر لا

میر المومنین من بعده فابی الله (تفسیر فرات الکوفی ص ۱۹ مطبوعہ نجف اشرف) نیز یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ کے آخری وقت میں جب کہ حضرت عباس، حضرت علی اور حضور ﷺ کے خاص گھر والے ہی آپ کے پاس موجود تھے تو جناب عباس فضل بن عباس، نے بنو ہاشم کی خلافت کے بارے میں پوچھا تو حضور ﷺ نے فرمایا "انتم المستضعفون من بعدی" (ارشاد شیخ مفید ص ۹۹، اعلام الوریٰ طبرسی ص ۱۴۲، تہذیب المتین جلد ا ص ۲۳۶ وغیرہ) تم میرے بعد مجبور ہو جاؤ گے (اس بات پر کہ جب تمام اہل ایمان اللہ کی رضا کے مطابق جناب ابوبکر صدیق کی بیعت پر متفق ہو جائیں گے تو تمھیں بھی اپنی خلافت کا خیال چھوڑ کر آپ ہی کی بیعت کرنا ہوگی۔ جناب عباس کی اس عرض سے کتب شیعہ کی روشنی میں یہ بات ثابت ہوئی کہ حضور ﷺ کے آخری وقت میں جناب علی کی خلافت بلافصل کا کوئی اعلان و اقرار وغیرہ نہیں ہوا تھا۔ لہٰذا قلم دوات اور اعلان غدیر خم وغیرہ کے افسانے محض لغو ہیں۔ فافہموا) اسی لیے جناب نبی اکرم ﷺ نے اپنی بیماری کے ایام میں جناب علی کی موجودگی میں جناب ابوبکر صدیق کو ہی جماعت کی امامت کا حکم فرمایا۔ الفاظ ہیں "فلما اشتد به المرض امر ابابکر ان یصلی بالناس" (درہ نجفیہ شرح نہج البلاغہ ص ۲۲۵) نیز جناب انس فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے انہیں حکم فرمایا کہ جناب ابوبکر کو جنت کی اور میرے بعد خلافت بلافصل کی بشارت دے دو۔ روایت کے الفاظ یہ ہیں۔ عن انس ان رسول الله ﷺ امره عند اقبال ابی بکر ان یبشره بالجنة و بالخلافة بعده (تلخیص الشافی ۳ ص ۳۹) جناب جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک عورت حضور ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئی اور کوئی عرض کی تو آپ ﷺ نے فرمایا پھر کبھی آنا۔ تو اس نے عرض کیا "آقا اگر میں دوبارہ آؤں اور آپ کا وصال ہو چکا ہو تو پھر کس سے عرض کروں۔" تو آپ ﷺ نے فرمایا "ان لم تجد ینی فاء ت ابا بکر" (تلخیص شافی ۳ ص ۳۹ مطبوعہ قم) جب دوبارہ تم آؤ اور میرا انتقال ہو چکا ہو تو ابوبکر کے پاس حاضر ہو کر اپنی عرض کر لینا۔ اس روایت میں بھی حضور ﷺ واضح طور پر جناب ابوبکر صدیق کی خلافت بلافصل کا اعلان فرما رہے ہیں۔ جناب سیدنا امام حسن نے بھی خلفاء راشدین کی خلافت حقہ کا اسی طرح اعلان فرمایا کہ جب آپ نے امیر معاویہ کو خلافت عطا فرمائی تو ایک شرط یہ بھی رکھی "علیٰ ان یعمل فیهم بکتاب الله و سنة رسول الله و سیرة الخلفاء الراشدین (کشف الغمہ ا ص ۵۷۰ مطبوعہ تبریز) یہ کہ آپ کتاب اللہ، سنت رسول اللہ اور سیرت خلفاء راشدین پر عمل پیرا رہیں گے۔ ایک مقام پر جناب سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جناب ابوبکر صدیق اور جناب عمر فاروق رضوان اللہ تعالیٰ عنہم کی خلافت حقہ کا اس طرح ذکر فرماتے ہیں ثم استخلف الناس ابابکر ثم استخلف ابوبکر عمر و احسنا السیرة وعد لا فی الامة (واقعہ صفین ص ۱۲۹۔ ناسخ التواریخ ۳ ص ۲۴۱۔ شرح نہج البلاغہ ابن حدید ا ص ۲۹۵ جز نمبر ۲ طبع ایران) پھر تمام لوگوں (تمام مہاجرین و انصار) نے متفقہ طور پر، کیا نکہ جناب حیدر کرار نے کسی کو مستثنیٰ نہیں فرمایا) آپ ﷺ کے بعد ابوبکر کو خلیفہ بنالیا اور ابوبکر نے اپنے بعد خلافت عمر کے حوالے کر دی وہ دونوں ہی اچھی سیرت کے مالک تھے اور دونوں ہی نے امت میں خوب انصاف فرمایا۔ جناب سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت و بیعت کا معروف شیعی مورخ ابو محمد حسن نے اس طرح ذکر کیا ہے۔ فصار مع ابی بکر ن السواد الاعظم و الجمهور الاکثر فلبثوا معه و مع عمر مجتمعین علیها راضین بهما (فرق الشیعہ ص ۳) یعنی صحابہ کرام کی بہت بڑی جماعت اور اکثر اہل اسلام جناب ابوبکر کی خلافت پر جمع ہو گئے اور اپنی خوشی سے جناب ابوبکر کی خلافت اور جناب عمر کے فیصلے پر راضی ہو گئے۔ جناب امام باقر بیان فرماتے ہیں کہ جناب علی المرتضیٰ نے جناب رسول اللہ ﷺ کے وصال شریف کے بعد مسجد نبوی شریف میں کافی لوگوں کے سامنے یہ بیان فرمایا "ان الله یقول فی کتابه وما اتاکم الرسول فخذوه وما نهاکم عنه فانتهوا فانشهد علیٰ رسول الله انه استخلف ابابکر (تفسیر صافی ۲ ص ۵۶۲ مطبوعہ تہران۔ تفسیر قمی ۲ ص ۳۰۱ مطبوعہ نجف) اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں فرمایا ہے کہ رسول اللہ ﷺ جو کچھ تمھیں دیں (یا جس بات کا حکم دیں) اس کو قبول کرو اور جس بات سے آپ منع فرمائیں اس سے باز آجاؤ۔ پس ہم جناب رسول اللہ ﷺ کے متعلق گواہی دیتے ہیں کہ آپ نے جناب ابوبکر کو خود خلیفہ بنایا ہے۔ اس حوالے سے تو یہ ثابت ہو رہا ہے کہ جناب سیدنا علی المرتضیٰ لوگوں کو یہ آیات قرآنی سنا سنا کر جناب ابوبکر صدیق کی خلافت بلافصل پر قائل کر رہے تھے۔ اسی طرح حضور غوث اعظم نے بھی تحریر فرمایا ہے۔ و اما خلافت ابی بکر الصدیق فباتفاق المهاجرین و الانصار..... فبایعوه باجمعهم وفیهم علی و الزبیر ولهذا قیل فی النقل الصحیح لما بویع ابوبکر الصدیق قام ثلاثا یقبل علی الناس یقول یا ایها الناس اقلتکم بیعتی هل من کارهفیقومعلی فی اوائل الناس فیقول لا نقیلك ولا نستقیلك ابدا۔ قدمك رسول الله فمن یوخرك وبلغنا عن الثقاة ان علیا کان اشد الصحابة قولاً فی امامة ابی بکر ..... فقال نظرنا فی امرنا فاذا الصلوٰة عضد الاسلام فرضینا لدنیانا بما رضی الله و رسوله لدیننا فولینا الامر ابابکر و ذالك ان النبی استخلف، ابا بکر الصدیق فی اقامة المعروضة ایام مرضه............ و کان النبی یتکلم فی شان ابی بکر فی حال حیاته بما یتبین للصحابة انه احق الناس بالخلافة بعده و کذالك فی حق عمر

وعثمان وعلی (غنیۃ الطالبین ص ۱۷۲)۔ اور خلافت ابوبکر صدیق کی تمام مہاجرین اور انصار صحابہ کرام کے اتفاق سے قائم ہوئی تھی۔ چنانچہ سب ہی نے آپ کی بیعت کرلی اور جناب علی اور جناب زبیر بھی ان بیعت کرنے والوں میں تھے۔ صحیح روایت میں ہے کہ جناب ابوبکر صدیق کی بیعت کرلی گئی تو آپ تین دن تک لوگوں کے سامنے کھڑے ہوکر فرماتے رہے لوگو! میں اپنی بیعت تم کو واپس کرتا ہوں۔ کیا کوئی میری بیعت کو ناپسند کرتا ہے؟ تو حضرت علی تمام لوگوں کے آگے آکر کھڑے ہوگئے اور فرمانے لگے۔ ہم آپ سے بیعت واپس نہیں لیں گے اور نہ ہی ہم آپ سے کبھی روگردانی کریں گے۔ آپ کو آگے کیا ہے جناب رسول اللہ ﷺ نے تو کون ہے جو آپ کو پیچھے کرسکے (غوث اعظم فرماتے ہیں) ہم تک معتبر لوگوں کے ذریعے یہ بات پہنچی ہے کہ جناب ابوبکر صدیق کی خلافت کے معاملہ میں جناب علی المرتضیٰ تمام لوگوں سے بڑھ کر آپ کے حمایتی تھے۔ جناب علی المرتضیٰ فرماتے ہیں کہ ہم نے غور کیا کہ نماز اسلام کا بازو ہے۔ تو ہم راضی ہوگئے دنیا کے معاملہ (خلافت) میں اپنی اس بات پر جس کو پسند فرمایا اللہ اور اس کے رسول نے ہمارے دین کے لیے۔ تو ہم نے جناب ابوبکر کو خلیفہ بنالیا۔ اور یہ اس وجہ سے کیا کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے اپنی بیماری کے دنوں میں جناب ابوبکر صدیق کو فرض نمازوں میں اپنا خلیفہ مقرر فرمایا تھا۔ نیز جناب رسول اللہ ﷺ اکثر جناب صدیق اکبر کے متعلق ایسی باتیں فرماتے رہتے تھے جس سے صحابہ کرام کو یہ واضح ہوچکا تھا کہ آپ کے بعد جناب ابوبکر صدیق سے زیادہ خلافت کا کوئی حقدار نہیں ہے۔ اور اسی طرح جناب عمر فاروق جناب ذوالنورین اور جناب علی بھی اپنے اپنے وقت میں دیگر لوگوں سے بڑھ کر خلافت کے حقدار تھے۔ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) سبحان اللہ۔ سچ ہے۔ کلام الملوک ملوک الکلام۔ کہ بادشاہوں کا کلام، کلاموں کا بادشاہ ہوتا ہے۔ حضور غوث الاغیاث نے چند فقرات میں تمام مسئلہ ہی حل فرمادیا۔ جناب سیدنا علی المرتضیٰ کے خطبات پر مشتمل شیعی کتاب نہج البلاغہ ص ۸۹ خطبہ نمبر ۳۷ پر جناب علی المرتضیٰ کا فرمان ذیشان مذکور ہے رضینا عن اللہ قضاء ہ وسلمنا اللہ امرہ اترانی اکذب علیٰ رسول اللہ واللہ لانا اول من صدقہ فلااکون اول من کذب علیہ فنظرت فی امری فاذاطاعتی قد سبقت بیعتی واذالمیثاق فی عنقی لغیری۔ ہم اللہ کے فیصلے پر راضی ہیں اور اس کے معاملے کو اسی پر چھوڑتے ہیں۔ اے شخص (لوگو) کیا تو خیال کرتا ہے کہ میں (حضرت علی) جناب رسول اللہ پر کوئی جھوٹ باندھوں گا۔ خدا کی قسم میں نے ہی سب سے پہلے آپ کی نبوت کی تصدیق کی تھی۔ تو کیا میں ہی آپ پر پہلا جھوٹ باندھنے والا بنوں۔ میں نے اپنے معاملہ پر غور کیا اور فیصلہ کیا کہ میرے لئے (ابوبکر صدیق کی) اطاعت کرنا اور ان کی بیعت کرنا اپنی بیعت کرنے سے بہتر ہے۔ کیونکہ میری گردن میں غیر کی بیعت کرنے کا وعدہ پڑا ہوا ہے۔ اس خطبہ حیدری کی شرح میں شارح نہج البلاغہ۔ کمال الدین میثم بحرانی شیعہ لکھتا ہے۔ فاذا طاعتی قد سبقت بیعتی کا مطلب ہے کہ حضور نے مجھ کو حکم فرمایا تھا کہ اس معاملہ میں لڑائی جھگڑا نہ کرنا۔ لہٰذا میں نے اپنی بیعت لینے کا ارادہ ختم کردیا۔ اور واذا المیثاق فی عنقی لغیری۔ کا مطلب ہے مالزمہ من بیعت ابی بکر بعد ایقاعھا ای فاذا میثاق القوم قد لزمنی فلم یمکننی المخالفۃ بعدہ (شرح نہج البلاغہ ابن میثم جلد ۱ جز ۲ ص ۹۷)۔ یعنی حضور ﷺ نے مجھ سے وعدہ لے رکھا تھا کہ جب لوگ ابوبکر کی بیعت کرلیں تو تم بھی ان کی بیعت کرلینا۔ لہٰذا مجھ پر اس وعدے کا پابند رہنا لازم ہے۔ تو اس کے بعد میرے لیے ممکن نہیں رہا کہ میں اس بات کی مخالفت کروں (چنانچہ آپ نے حضور ﷺ کے فرمان کے مطابق فوراً ابوبکر صدیق کی بیعت کرلی) اس طرح اہل تشیع کی صحاح اربعہ کے مصنفین میں سے ابوجعفر طوسی نے بھی کچھ معاندانہ انداز میں اس حقیقت کو تسلیم اور نقل کیا ہے۔ لکھتے ہیں کہ جناب علی المرتضیٰ نے اپنے دور خلافت میں لوگوں کو خطاب فرمایا "لوگو! میں تمہیں خدا کی قسم دیتا ہوں کہ حضور ﷺ کے وصال شریف کے بعد تمام لوگوں اور آپ کا میں زیادہ قریبی نہیں تھا؟" لوگوں نے کہا "ہاں"۔ تو آپ نے فرمایا "تم نے پھر بھی ابوبکر کی بیعت کرلی اور مجھے چھوڑ دیا۔ فبایعت ابابکر کما بایعتموہ تو جیسے تم نے ابوبکر کی بیعت کی۔ میں نے بھی ان کی بیعت کرلی۔ (کتاب الامالی نمبر ۲ ص ۱۲۱ جز ۱۸ مطبوعہ ایران)۔ اسی صفحہ پر جناب علی المرتضیٰ کا جناب عمر فاروق اور جناب عثمان ذوالنورین کی بیعت کرنا بھی مذکور ہے۔ بلکہ ایک مقام پر تو اس طرح بیان کیا گیا ہے "امیر المومنین علی چوں استماع فود کہ مسلماناں بر بیعت ابو بکر اتفاق نمودند بتعجیل از خانہ بیروں آمد چنانچہ ہیچ در برنداشت بغیر از پیرہن نہ ازار ونہ ردا۔ ہمچناں نزد صدیق رفتہ باو بیعت نمود.... علی گفت.... ابوبکر را شائستہ ایں کار میدانم (روضۃ الصفاء جلد ۲ ص ۴۳۲) یعنی جب علی المرتضیٰ نے جب سنا کہ تمام مسلمانوں نے متفقہ طور پر جناب ابوبکر صدیق کی بیعت کرلی ہے تو جلدی سے باہر تشریف لائے کہ چادر وغیرہ بھی اوپر نہ اوڑھی اور سیدھے ابوبکر صدیق کے پاس پہنچے اور ان کی بیعت کرلی۔ اور فرمایا میں ابوبکر کو کار حکومت کے لیے بہت موزوں سمجھتا ہوں۔ اسی طرح آل کاشف الغطا محمد الحسینی معروف شیعی مصنف نے بھی ان الفاظ میں اس حقیقت کا اعتراف کیا ہے۔ حین رآی ان المتخلفین اعنی الخلیفۃ الاول والثانی بذلا اقصی الجھد فی نشر کلمۃ التوحید و تجھیز الجنود و توضیح الفتوح ولم یستاثرو ولم یستبدو بایع وسالم (اصل شیعہ واصولھا ص ۱۵

مطبوعہ قاہرہ) یعنی جب سیدنا علی المرتضٰے نے دیکھا کہ خلیفہ اول جناب ابوبکر صدیق اور خلیفہ ثانی جناب عمر فاروق نے اپنے اپنے دور خلافت میں کلمہ توحید میں پھیلانے اور لشکر اسلامی کی تیاریوں اور فتوحات اسلامیہ کے سلسلہ میں کوئی کمی نہیں چھوڑی اور اپنی ذات کو کبھی ترجیح نہیں دی اور نہ ہی کبھی کسی پر کوئی زیادتی کی ہے۔ تو آپ نے دونوں خلفاء راشدین کے ادوار میں ان سے بیعت کرلی۔ ایک مقام پر نہج البلاغہ میں مذکور جناب مولا علی کا فرمان کہ "مجھ کو حضور ﷺ نے حکم فرمایا تھا کہ خلافت کے لیے لڑائی نہیں کرنی" کو بھی پس پشت ڈال کر ایک متعصبانہ فقرہ آپ کی طرف غلط منسوب کیا لیکن آخر میں پھر اعتراف حق کرنا ہی پڑا۔ لکھتے ہیں "لو وجدت انا یوم بویع ابوبکر بالخلافۃ اربعین رجلاً یطیعوننی وینصروننی لما قعدت عن القتال۔ اما یوم عمر و عثمان فلاننی کنت قد بایعت ومثلی لاینکث بعتہ (ارشاد القلوب ص۳۹۶ مطبوعہ بیروت) جناب علی المرتضٰے نے فرمایا۔ جس دن خلافت کے سلسلے میں ابوبکر کی بیعت ہوئی تھی اس دن اگر چالیس آدمی بھی مجھے ایسے مل جاتے جو میری اطاعت اور مدد کرنے والے ہوتے تو میں لڑائی سے کبھی باز نہ آتا ۔لیکن عمر اور عثمان کی بیعت کے وقت میں اس لیے خاموش رہا کہ اس سے پہلے میں ابوبکر کی بیعت کر چکا تھا۔ (لہٰذا ان کی بھی بیعت کرلی) کیونکہ مجھ جیسا شخص بیعت کر کے توڑا نہیں کرتا۔ اسی طرح معروف شیعی مصنف مرزا حسین طبرسی نے بھی اپنی کتاب "نفس الرحمان فی فضائل سلمان" میں جناب سیدنا علی المرتضٰے کی شان حیدر کرار اسد اللہ، اسد اللہ الغالب اور مظہر العجائب والغرائب وغیرہ کے برعکس آپ کی شان کے خلاف ایک توہین آمیز افسانہ بیان کرنے کے بعد آخر میں حقیقت کو تسلیم کرلیا ۔ثم تناول ید ابی بکر فبایعہ۔ جناب علی المرتضٰے نے ابوبکر کا ہاتھ پکڑا اور آپ کی بیعت کرلی۔ بالکل یہی الفاظ احتجاج طبرسی جلد نمبر ا ص ۵۴ مطبوعہ نجف اشرف پر بھی مذکور ہیں۔ اسی طرح سید نور اللہ شوستری نے بھی اس حقیقت کو تو تسلیم کیا لیکن حسب عادت خاندان نبوت کی توہین کر گیا۔ لکھتا ہے "وبعد از مدتے کہ حضرت امیر و سائر بنی ہاشم از روئی اکراہ با ابی بکر بظاہر بیعت کردند (مجالس المومنین جلد نمبر ا ص ۲۲۴ مطبوعہ تہران) یعنی ایک عرصہ کے بعد حضرت علی اور تمام بنو ہاشم نے مجبوراً اوپر اوپر سے جناب ابوبکر کی بیعت کرلی ۔استغفر اللہ العظیم۔ ملا باقر مجلسی نے بھی جناب حیدر کرار کی شان کے خلاف ایک افسانہ گھڑ کر آخر میں ان الفاظ کے ساتھ حقیقت کو تسلیم کرلیا۔ پس علی آمد و بیعت کرد (حق الیقین ص ۱۱۵ مطبوعہ تہران) و بعد از نماز ظہر حضرت بضرورت بیعت کرد (حق الیقین ص ۱۳۷) تو جناب علی المرتضٰے تشریف لائے اور مجبوراً جناب ابوبکر کی بیعت کرلی۔ (استغفر اللہ) سید مظہر حسین سہارن پوری نے بھی اپنے شیعانہ

انداز میں اس طرح حقیقت کو تسلیم کیا "حضرت صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ حضرت امیر المومنین نے (جناب ابوبکر کی) بیعت نہیں کی تا وقتیکہ دھواں آنحضرت کے گھر سے بلند نہ ہوا (تہذیب المتین جلد نمبر ا ص ۲۷۶) استغفر واللہ۔ معروف شیعی محقق ابومنصور طبرسی لکھتا ہے جناب اسامہ بن زید مدینہ منورہ آئے تو جناب ابوبکر کے پاس لوگوں کا اجتماع دیکھا تو آپ فوراً حضرت علی کے پاس گئے اور جا کر پوچھا فھل بایعتہ فقال نعم یا اسامۃ (احتجاج طبرسی جلد ا ص ۵۶ مطبوعہ نجف اشرف) یا علی کیا آپ نے بھی ابوبکر کی بیعت کی ہے۔ تو شیر خدا نے فرمایا "ہاں اے اسامہ میں نے بھی آپ کی بیعت کرلی ہے" ایک مقام پر یہی لکھتے ہیں۔ وما من الامۃ احد بایع مکرھا غیر علی و ار بعتنا (احتجاج جلد نمبر ا ص ۵۴) سلیمان فارسی کہتے ہیں کہ پوری امت میں سے جناب علی المرتضٰے اور ہم چاروں (زبیر ،سلمان، ابوذر، مقداد) کے علاوہ کسی نے بھی مجبوراً بیعت نہیں کی (العیاذ باللہ) ابوجعفر محمد طوسی نے بھی جناب علی المرتضٰے کی مجبوراً بیعت ان الفاظ میں بیان کی ہے۔ حتی جاء وا بامیر المومنین مکرھا فبایع (رجال کشی ص ۶ مطبوعہ مشہد۔ روضہ کافی جلد نمبر ۳ ص ۱۱۵، ص ۱۳۹ مطبوعہ لکھنو) یعنی جناب علی کو مجبور کر کے لایا گیا تو آپ نے جناب ابوبکر کی بیعت کرلی۔ مشہور شیعی مجتہد سید مرتضٰی علم الھدی میں لکھتے ہیں ۔فالظاھر الذی لا اشکال فیہ انہ علیہ السلام بایع مستدفعا للشرو فرارا من الفتنۃ (کتاب الشافی ص ۲۰۹) یعنی یہ ایسی واضح بات ہے جس میں کوئی اشکال نہیں ہے۔ کہ جناب علی المرتضٰے نے فتنہ اور شر سے بچنے کے لیے جناب ابوبکر صدیق کی بیعت کرلی تھی۔ معروف شیعی مورخ مرزا محمد تقی جناب حیدر کرار کا ایک خطبہ نقل کرتے ہیں۔ فمشیت عند ذالک الیٰ ابی بکر فبایعتہ و نھضت فی تلک الاحداث حتیٰ زاغ الباطل وزھق وکان کلمۃ اللہ ھی العلیا (ناسخ التواریخ جلد ۳ ص ۵۳۲ مطبوعہ ایران) جناب علی فرماتے ہیں۔ میں جناب ابوبکر کے پاس چلا گیا اور میں نے آپ کی (بخوشی) بیعت کرلی اور اس وقت کے حوادثات کے خلاف میں کمربستہ ہو گیا حتیٰ کہ (خلافت صدیقی میں) حق غالب ہوا اور باطل دفع ہو گیا اور اللہ کا کلمہ بلند ہو گیا۔ مشہور شیعی مورخ ابومحمد نوبختی لکھتے ہیں ان علیا سلما لھما الامر ورضی بذالک وبایعھما طائعا غیر مکروہ.....وان ولایۃ ابی بکر صارت رشدا و ھدی لتسلیم علی و رضاہ ولولا رضاہ و تسلیمۃ لکان ابوبکر مخطا ضالا ھالکا (فرق الشیعہ ص ۴۲ مطبوعہ نجف اشرف) یعنی جناب حیدر کرار نے راضی خوشی بغیر کسی مجبوری کے خلافت یکے بعد دیگرے جناب ابوبکر اور جناب عمر کے حوالے کر دی اور باری باری ان دونوں ہستیوں کی بیعت کرلی۔ جناب شیر خدا کی راضی خوشی جناب ابوبکر کی بیعت کرلینا جناب ابوبکر کی خلافت کی حقانیت کی

دلیل بن گئی اگر خدانخواستہ جناب علی رضی اللہ عنہٗ جناب ابوبکر کی بیعت نہ کرتے تو پھر (معاذ اللہ) جناب ابوبکر رضی اللہ عنہٗ کا غلط ہونا ثابت ہوتا۔ (لیکن چونکہ آپ رضی اللہ عنہٗ نے شیخین کریمین رضی اللہ عنہٗ کی راضی خوشی بیعت کی اور ان کی خلافت میں معاون بنے لہٰذا اس اصول پر بھی ان کی خلافت راشدہ ہونا ثابت ہوگیا) اس مسئلے میں ماننے والے کے لیے جناب علی المرتضٰے کا یہ فرمان ہی کافی ہے۔ معروف ومعتمد شیعی محقق محمد بن علی (ابن شہر آشوب) لکھتے ہیں۔ قال امیر المومنین ومن لم یقل انی رابع الخلفاء فعلیه لعنة الله (مناقب آل ابی طالب جلد ۳ ص ۶۳) یعنی جناب حیدر کرار نے فرمایا جو مجھے چوتھا خلیفہ نہ کہے اس پر اللہ کی لعنت ہو۔ جناب مولا علی کے فرمان کے مطابق اللہ کی لعنت سے بچنے کا ایک ہی طریقہ ہے کہ یہ مان لیا جائے امت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں پہلے خلیفہ جناب سیدنا صدیق اکبر اور دوسرے خلیفہ جناب عمر فاروق، تیسرے خلیفہ جناب سیدنا عثمان ذوالنورین اور چوتھے خلیفہ جناب سیدنا علی المرتضٰے ہیں۔ آئیں اور سیدنا علی المرتضٰے کے فرمان ذیشان پر ہی صلح کرلیں۔ تعالوا الی کلمة سواء بیننا و بینکم۔ معروف شیعی مورخ نصر بن مزاحم نے اپنی کتاب واقعہ صفین میں جناب حیدر کرار کے کچھ مکتوب نقل کیے ہیں۔ ایک مکتوب ہے۔ وانصحهم لله ولرسوله و خلیفة الخلیفة ولعمری ان مکانهما فی لاسلام شدید رحمهما الله وجزاهما باحسن الجزاء (ص ۶۳) اور اسی مکتوب کو شارح نہج البلاغہ کمال الدین بحرانی نے بھی کچھ الفاظ کی تبدیلی کے ساتھ نقل کیا ہے۔ لکھتے ہیں۔ وانصحهم لله ولرسوله الخلیفة الصدیق و خلیفة الخلیفة الفاروق ولعمری ان مکانهما فی الاسلام لعظیم وان المصائب بهما کجرح فی الاسلام شدید یرحمهما الله وجزاهما باحسن ما عملا (شرح نہج البلاغہ ابن میثم جلد ۴ ص ۳۶۲ مطبوعہ تہران) جناب علی فرماتے ہیں کہ تمام صحابہ کرام میں سے اللہ اور اس کے رسول کے زیادہ خیر خواہ خلیفۃ الرسول (خلیفہ بلافصل) جناب ابوبکر صدیق اور آپ کے خلیفہ عمر فاروق تھے۔ مجھے اپنی زندگی کی قسم ان دونوں بزرگوں کا اسلام میں بہت بلند مقام ہے۔ اللہ تعالیٰ ان دونوں پر رحمتیں نازل فرمائے اور انہیں ان کے اعمال کی بہترین جزاء عطا فرمائے۔ ان کی وفات سے اہل اسلام پر بڑی مشکلیں آن پڑی ہیں۔ ایک مرتبہ جناب علی المرتضٰے سے کہا گیا کہ بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ آپ نے تقیہ کیا ہے (اوپر سے ابوبکر و عمر کی تعریف اور اندر سے ان بزرگوں سے نفرت) تو آپ نے فرمایا "اللہ کی پناہ، پھر آپ نے ان لوگوں کو مسجد میں جمع فرمایا اور جناب ابوبکر اور جناب عمر کی بہت زیادہ تعریف فرمائی اور روتے ہوئے ان کے لیے دعا فرمائی اور فرمایا میں جناب ابوبکر اور جناب عمر کے گستاخوں کو سزا دوں گا اور میرا ایسے لوگوں سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اور

آخر میں آپ نے فرمایا فوالذی خلق الحبة وبری النسمة لایحبهما الا مومن فاضل ولایبغضهما الا شقی مارق وحبهما قربة وبغضهما مروق (اطواق الحمامۃ از مؤید باللہ یحیٰی بن حمزہ زیدی شیعہ بحوالہ تحفہ اثنا عشریہ باب سوم) اللہ کی قسم جو سچا مومن ہوگا وہ ضرور ان دونوں بزرگوں سے محبت کریگا۔ جو بدبخت ان دونوں بزرگوں سے بغض رکھے گا، وہ بے دین ہوگا، کیونکہ ان کی محبت اللہ کا قرب ہے اور ان کا بغض دین سے خارج ہونا ہے۔ نعوذ باللہ من ذالک۔ مستند شیعی مصنف شیخ عباس قمی نے اپنی کتاب تتمۃ المنتہیٰ ص ۳۹۱ پر ایک عبرت انگیز واقعہ نقل کیا ہے۔ ذرا وہ بھی ملاحظہ فرمالیں۔ ایک شخص نے ایک حاجی کو کہا کہ جب تو مدینہ پہنچے تو حضور ﷺ کے روضہ انور پر میرا اسلام کہنا اور کہنا اگر آپ کے ساتھ ابوبکر و عمر مدفون نہ ہوتے میں ضرور آپ کے پاس حاضر ہوتا۔ اس نے جا کر ایسا ہی کہہ دیا۔ اس نے خواب میں دیکھا کہ جناب رسول اللہ ﷺ اور جناب امیر المومنین تشریف فرما ہیں اور وہ شخص (پیغام بھیجنے والا) پیش کیا گیا تو حضور ﷺ نے حضرت علی کو اس کے قتل کا حکم فرمایا۔ جناب علی نے اس بدبخت کو قتل کردیا۔ اس شخص نے وہ تاریخ لکھ لی۔ جب وہ واپس آیا تو پتہ چلا کہ وہ شخص اسی رات کو ہی مقتول پایا گیا تھا۔ نعوذ باللہ من ذالک۔ اس کے ساتھ امام جعفر صادق کا ایک فرمان بھی ملاحظہ فرمالیں تا کہ اہل بیت اطہار کا عقیدہ مزید واضح ہو جائے۔ هما امامان عادلان قاسطان کانا علی الحق وماتا علیه فعلیهما رحمة الله یوم القیامة (احقاق الحق از نور اللہ شوستری ص ۱۶) یعنی وہ دونوں (جناب ابوبکر صدیق اور جناب عمر فاروق) عدل و انصاف کرنے والے امام (برحق خلیفہ) تھے۔ وہ دونوں پوری زندگی حق پر قائم رہے اور حق پر دونوں کا وصال ہوا۔ ان دونوں بزرگوں پر قیامت تک اللہ کی رحمتیں ہوں۔ امام باقر نے ایک دفعہ جناب صدیق کے عمل پر فتویٰ دیا اور آپ کو صدیق بھی کہا تو ایک شخص نے اعتراض کردیا تو آپ غضبناک ہوگئے۔ اور قبلہ کی طرف رخ انور کر کے فرمایا ہاں وہ صدیق ہیں، ہاں وہ صدیق ہیں، ہاں وہ صدیق ہیں۔ اور جو آپ کو صدیق نہیں مانتا اللہ اس (بدبخت) کے کسی بھی قول کو نہ دنیا میں سچا کرے اور نہ آخرت میں ہی۔ عبارت ہے۔ فقال نعم الصدیق، نعم الصدیق، نعم الصدیق۔ فمن لم یقل له الصدیق فلا صدق الله له قولاً فی الدنیا والاخرة (کشف الغمہ جلد ۲ ص ۲۲۰ مطبوعہ تہران) اسی کتاب میں گستاخان خلفاء ثلاثہ پر جناب امام زین العابدین کی ایک بددعا بھی منقول ہے۔ آپ کے پاس عراق سے کچھ لوگ آئے۔ دوران گفتگو انہوں نے جناب ابوبکر صدیق، جناب عمر فاروق اور جناب عثمان غنی ذوالنورین کے بارے میں گستاخی کی تو امام زین العابدین نے آیات قرآنی سے ان کو لاجواب کرنے کے بعد فرمایا "اخرجو اعنی فعل الله بکم (کشف الغمہ جلد ۲ ص ۱۱۳۔ جلاء العیون جلد ۱ ص ۳۹۳ مطبوعہ

تہران)میرے پاس سے دفع ہو جاؤ ،اللہ تعالیٰ تمہیں اس گستاخی کی سزا دے۔اسی کتاب میں ہے کہ جناب علی لامرتضٰی نے اپنے صاحبزادوں کے نام ابوبکر ،عمر اور عثمان رکھے ہوئے تھے۔(کشف الغمہ جلد۱ص ۱۷۱۔تاریخ الائمہ ص ۱۴۳)نیز امام حسن نے بھی اپنے صاحبزادوں کے نام ابوبکر اور عمر رکھے ہوئے تھے۔(کشف الغمہ جلد۱ص ۱۷۱۔تاریخ الائمہ ص ۳۶)اور جناب ابوبکر بن امام حسن اور جناب عمر بن امام حسن میدان کربلا میں شہید ہوئے تھے۔(جلاء العیون ص ۱۹۳) جناب امام حسین نے بھی اپنے صاحبزادوں کے نام ابوبکر اور عمر رکھے ہوئے تھے۔(تاریخ الائمہ ص ۸۳)اس سے بڑا صحابہ کرام اور اہل بیت اطہار کے آپس میں محبت ومودت کا اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے۔ہمیشہ سے یہ ایک دستور چلا آرہا ہے کہ لوگ اپنے بچوں کے نام اپنی پسندیدہ اور محترم شخصیات کے ناموں پر رکھا کرتے ہیں۔کبھی کسی نے کسی برے شخص کے نام پر نام نہیں رکھے۔"فا فھموا یا اولو الابصار واعتبروا یا اولو الالباب"۔ بلکہ معتمد شیعی محقق نے سیدنا علی المرتضٰے رضی اللہ عنہ کا ایک خطبہ یہ بھی نقل کیا ہے۔" انا نری ابا بکر احق الناس بھا انہ لصاحب الغار و ثانی اثنین ونا لنصرف لہ فضلاً ولقد امر ہ رسول اللہ با لصلوٰۃ وھو حیّ " (شرح نہج البلاغہ ابن حدید جلد اجز ۶ ص ۲۹۳) جناب حیدر کرار رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔بے شک ہم ابوبکر کو خلافت کا سب سے زیادہ حقدار جانتے ہیں کیونکہ وہ جناب رسول اللہ ﷺ کے یار غار ہیں اور وہ غار میں حضور ﷺ کے ساتھ دوسرے تھے اور بے شک ہم جناب ابوبکر کی بزرگی کو مانتے ہیں اور جناب رسول اللہ ﷺ نے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنی ظاہری زندگی ہی میں مصلائے امامت پر کھڑا کر دیا تھا۔یقیناً اب تو مطلع بالکل صاف ہو چکا ہوگا۔ہر منصف مزاج شخص پر تو یقیناً حق واضح ہو چکا ہوگا۔بعض جاہل معاندین جناب صدیق اکبر پر فدک کے متعلق الزام تراشی کرتے ہیں۔اس مسئلے کی تحقیق ہماری کتاب "ذکر اہل بیت مصطفٰے" میں ملاحظہ فرمائیں۔نیز ایمان والے کے لیے اس مسئلہ میں فرمان خداوندی ما افاء اللہ ....الخ (حشر نمبر ۷)اور فرمان مصطفوی لانرث ولا نورث ما ترکنا صدقۃ (اصول کافی ص ۱۶،ج ص ۱۷۔احتجاج طبرسی ص ۶۴،من لایحضرہ الفقیہ جلد ۶ ص ۳۴۶) کے بعد جناب امام زین العابدین کے صاحبزادے جناب زید کا فرمان ہدایت نشان ہی کافی ووافی ہے۔امام زادے فرماتے ہیں۔ اما انا فلو کنت مکان ابی بکر لحکمت بمثل ما حکم بہ بو بکر فی فدك (البدایہ نمبر ۵ ص ۲۹۰ مطبوعہ مصر سنن الکبریٰ بیہقی نمبر ۶ ص ۳۰۱،دلائل النبوۃ بیہقی نمبر ۷ ص ۲۸۱) جناب ابوبکر صدیقؓ نے فدک کے مسئلے میں اتنا بہترین فیصلہ فرمایا تھا کہ اگر آپ کی جگہ میں بھی ہوتا تو وہی فیصلہ کرتا۔ سبحان اللہ۔جناب امام باقرؓ سے بھی ایک شخص نے پوچھا تھا۔حضور کیا جناب ابوبکر رضی اللہ عنہ یا جناب عمر رضی اللہ عنہ (اہل بیت کرام) کے حق کے بارے میں کچھ ظلم کیا تھا یا آپ کا کوئی حق غصب کیا تھا تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔خدا کی قسم بالکل نہیں پھر سائل نے پوچھا۔آقا۔کیا جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور جناب عمر رضی اللہ عنہ سے محبت رکھنی چاہیے تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ہاں ،دنیا اور آخرت میں ان سے محبت رکھنی چاہئے۔پھر فرمایا اللہ تعالیٰ مغیرہ بن سعید اور بناں پر لعنت پر فرمائے انہوں نے ہم اہل بیت کی طرف سے (دشمنی صحابہ والے) جھوٹے واقعات گھڑ لئے ہیں۔خاص عبارت ہے" فقال والذی انزل القرآن علیٰ عبدہ لیکون للعالمین نذیراً ما ظلمنا من حقنامثقال حبۃ من خر دل قلت فداك افاتو لا ھما ؟ قال نعم۔ویحك تو لھما فی الدنیا والآخرۃ وما اصابك ففی عنقی ثم قال فعل اللہ بالمغیرۃ بنان فا نھما کذبا علی اھل البیت (شرح نہج البلاغہ ابن حدید نمبر ۴ ص ۱۱۳ مطبوعہ بیروت) جناب امام باقر رضی اللہ عنہ کا ایک فرمان ہے۔لست بمنکر فضل ابی بکر و لست بمنکر فضل عمر ولکن ابا بکر افضل من عمر (احتجاج طبرسی ص ۲۳۰ مطبوعہ مشہد) کہ میں نے تو جناب ابوبکر رضی اللہ عنہ کی فضیلت کا منکر ہوں اور نہ ہی جناب عمر رضی اللہ عنہ کی فضیلت کا منکر ہوں البتہ جناب ابوبکر رضی اللہ عنہ جناب عمر رضی اللہ عنہ سے افضل ہیں ،سید مرتضٰے علم الھدیٰ شیعہ نے کتاب الشافی ص ۲۳۸ بمہ تلخیص میں اور ابن حدید نے شرح نہج البلاغہ نمبر ۴ ص ۱۴۰ مطبوعہ بیروت میں امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے متعلق نقل کیا ہے کہ" انہ کان یتولا ھما و یاتی القبر فیسلم علیھما مع تسلیمہ علیٰ رسول اللہ " کہ آپ رضی اللہ عنہ جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور جناب عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ساتھ محبت فرماتے تھے اور جب آپ روضہ نبوی پر حاضر ہوتے تو حضور کی خدمت میں سلام عرض کرنے کے بعد جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور جناب عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں بھی سلام عرض کیا کرتے تھے، سبحان اللہ۔ والسلام علی من التبع الھدیٰ اللہ تعالیٰ ہر کسی کو حق واضح ہو جانے کے بعد حق کو مان لینے اور اس کے موافق اپنا ایمان وعقیدہ رکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔جن اکابرین اسلام ہستیوں کو اہل بیت اطہار رضی اللہ عنہم نے بھی اپنا امام اور پیشوا مانا اور بیان فرمایا اور انبیا فرمایا اور انکی بیعتیں فرمائیں ان پیشوایان اہل بیت اطہار کی امامت، عدالت ،صداقت اور افضلیت پر یقین محکم رکھنے کی توفیق عطا فرمائے اور اسی مسلک حقہ پر اللہ تعالیٰ ہم سب کا خاتمہ فرمائے ،آمین!

یارب العالمین بجاہ سید المرسلین وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ محمد وآلہ و صحبہ وو الدیہ و ازواجہ و بناتہ واحبابہ اجمعین

☆☆☆☆☆☆

دمساز پیمبر

حافظ لودھیانوی

بیاں ہو شان کس سے حضرت صدیق اکبر کی
میسر جس کو خوشنودی رہی محبوب داور کی

یہ ارشاد نبی صدیق اکبر کا ہے سرمایہ
کہ خیر الخلق بعد الانبیاء حضرت نے فرمایا

بشارت جس کو جنت کی ملی نطق پیمبر سے
کیا آغاز ہجرت آپ نے بوبکر کے گھر سے

عجب شوق کے نقش حسیں صدیق کے دل پر
مدینے کے سفر میں جو رہا دمساز پیغمبر

مزین تھا امامت کے شرف سے قلب نورانی
سیادت کی خبر دیتا تھا جس کا خط پیشانی

وہ پیکر تھا جو دنیا میں امیں حق و صداقت کا
وہی تھا مستحق محبوب باری کی نیابت کا

حبیب کبریا کی ہر ادا کو جاننے والا
نبوت کے ہر اک انداز کو پہچاننے والا

رہا بخت رسا کو ناز اس عالی وقاری پر
کہ تھا معمور جو سرکار کی خدمت گزاری پر

اسے ہر شے سے تھا حکم پیمبر بر تر و بالا
کہ جو کچھ گھر میں تھا محبوب کے قدموں میں لا ڈالا

رسول پاک کی صحبت سے تھا دل مثل آئینہ
تجلی گاہ عرفاں تھا نبی کے فیض سے سینہ

خدا نے اس کو بخشا تھا کمال فہم قرآنی
نرالی شان کا تھا شارح آیات ربانی

جنوں نے جس سے سیکھے ہیں سلیقے جاں نثاری کے
سکھائے عشق کو آداب جس نے خاکساری کے

متاع جاں کو جس نے سوز کے سانچے میں ڈھالا ہے
وہ جس کے فقر کا انداز دنیا سے نرالا ہے

نثار اس کی ادائے فقر پر سلطانی و میری
کیا کرتا تھا ناداروں کی جو شب کو خبر گیری

خلافت کی قبا کو جس نے حسن سادگی بخشا
جہانبانی کی فطرت کو شعور عاجزی بخشا

عمر، عثمان و حیدر تھے خلافت میں مشیر اس کے
جلیل القدرا صحاب پیمبر تھے وزیر اس کے

نگہباں تھا رعایا کا، لبوں پر تھیں مناجاتیں
خلافت کے لیے دن تھے، عبادت کے لیے راتیں

سعادت سے مشرف آج بھی صدیق اکبر ہے

شرک اور بدعت

پروفیسر محمد حسین آسی

اسلام کا پہلا بنیادی عقیدہ توحید ہے (اور دوسرا رسالت)۔ جملہ انبیائے کرام علیہم السلام نے سب سے زیادہ زور جس عقیدے پر دیا، وہ خدا کے واحد و لاشریک ہونے کا عقیدہ ہے امتیں اپنے نبیوں کے بے داغ کردار، بے مثل اخلاق، بہترین تعلیم اور اندازِ تعلیم کے باوجود عموماً راہ پر نہ آئیں محبوبانِ خدا نے عندالطلب معجزات بھی دکھائے، مگر ان کا بھی خاطر خواہ اثر نہ ہوا۔ اکثر اپنے انکار پر ڈٹے رہے اور بعض ایمان لائے مگر جلد ہی ان ایمان والوں نے معجزات کا اصل مقصد فراموش کر دیا۔ اور انبیائے کرام علیہم السلام کی ہدایت کے برعکس انہیں اللہ کا بیٹا یا خود ہی خدا ہی ٹھہرالیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے مردوں کو زندہ کر کے اپنی رسالت کا ثبوت دیا تھا مگر 'ماننے' والوں نے اسے ان کے خدا ہونے کی دلیل بنالیا۔ یونہی یہودیوں نے حضرت عزیز علیہ السلام کے بارے میں کیا تھا،

انبیائے علیہم السلام کا فیضِ ابدی: آخر میں نبی الانبیاء رسول دوسرا، حضور احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء نے ختم نبوت کا تاج پہن کر ظہور فرمالیا اور توحید خداوندی کی اشاعت کا بیڑا اٹھایا۔ آپ کی چند سالہ مساعی نے دنیا میں بہترین انقلاب رونما فرمادیا اور شرک و کفر کی ظلمتوں کو چھانٹ کر ساری دنیا کو توحید کے انوار سے روشن کر دیا۔

برزخ کبریٰ کے نقش پا کی شوخی دیکھنا
عالم ہستی کے خارستاں بہارستاں ہوئے

حضور ختمی مرتبت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بت پرستوں کی ذلیل پیشانی کو خدائے برحق کے حضور جھکا کر ایسا احسان عظیم فرمایا جس کا شکر ادا نہیں کیا جا سکتا، آپ ﷺ نے روح کو بالیدگی بخشی، قلب و ضمیر کو منور فرمایا اور اوہام کی زنجیریں کاٹ رکھ دیں۔ فرانسیسی (lamartine) کہتا ہے۔

He moved the altars, the gods, the religions, the ideas, the beliefe and the souls.

ترجمہ: اس (عظیم شخصیت ﷺ) نے (پرانی) قربان گاہیں، دیوتا، مذاہب، خیالات، اعتقادات اور روحیں ہلا کر رکھ دیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے چند معجزے دیکھ کر ان کی امت نے انہیں قیام ارضی کے دوران یا کچھ عرصہ کے بعد خدا ٹھہرالیا، مگر یہاں چودہ صدیاں گزر گئیں، ابھی تک ملت اسلامیہ کے آقا بانی اسلام ﷺ کو عبدہ ورسولہ کے القاب سے یاد کرتی ہے اور آپ کے جملہ کمالات و معجزات کو عبدیت و رسالت کے ساتھ وابستہ سمجھتی ہے۔ یہاں مردوں کو زندہ ہی نہیں کیا گیا، بلکہ چاند کو شق کیا گیا، سورج لوٹایا گیا، پتھر بلائے گئے، درخت چلائے گئے، مگر اسے حضور ﷺ کی الوہیت کی نہیں، بلکہ عبدیت کی علامت سمجھا گیا۔ توحید میں یہ پختگی کسی سائنس یا فلسفے کا فیض نہیں، یہ کسی علم و عمل کی برکت نہیں، یہ کسی عقل و حکمت کا کرشمہ نہیں بلکہ محض حضور سید الانبیاء علیہم التحیۃ والثناء کا تصرف اور نگاہ کرم کا اثر ہے، رحمۃ للعالمین ﷺ اپنی امت کے محافظ ہیں اور کسی صورت بھی اسے شرک آلود دیکھنا گوارا نہیں فرماتے۔

توحید اور عشق رسول ﷺ: حضور سید عالم ﷺ نے اپنی امت کو توحید کی دولت لازوال سے مالا مال کیا۔ انسانیت اور احسان شناسی کا اولین تقاضا یہ ہے ہم اپنے مولا ﷺ پر تن من وار دیں اور ہر گھڑی حضور ﷺ کی بارگاہ میں درود وسلام کا ہدیہ پیش کرتے رہیں۔

اس حقیقت میں کوئی شبہ نہیں کہ توحید ہمیں دربار رسالت (اعلیٰ صاحبہا

الصلوٰۃ والسلام) سے ملی ہے اور ملتی ہے جوں جوں ہمیں حضور سرور عالم ﷺ سے عشق و قرب ہوگا یہ توحید مضبوط تر اور محفوظ ہو جائے گی یونہی اس کے برعکس جوں جوں کوئی اس عشق سے دور ہوتا جائے گا، توحید سے بھی محروم ہوتا جائے گا۔ یہ دونوں لازم و ملزوم ہیں اور انہیں کسی صورت ایک دوسرے سے جدا نہیں کیا جا سکتا۔

اسلام اور ملت اسلامیہ کا سب سے بڑا سرمایہ یہی دو قوتیں ہیں، جذبہء جہاد و قربانی، جس پر ہماری آزادی، ترقی اور فلاح و نجات کا دارومدار ہے، اسی کی کوکھ سے پیدا ہوتا ہے، دور اول میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تمام مجاہدانہ کارروائیاں انہی دو قوتوں کے گرد گھومتی رہیں۔ موسیٰ بن نصیر، طارق بن زیاد، نور الدین زنگی، صلاح الدین ایوبی، غزنوی و غوری کے کردار میں یہی قوتیں مرکزی حیثیت رکھتی تھیں۔ حضور غوث اعظم، سیدنا مجدد الف ثانی، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، امام احمد رضا خاں بریلوی، حضور شاہ لاثانی و حضور نقش لاثانی علیہم الرحمۃ نے انہیں قوتوں کی آبیاری کی علامہ محمد اقبال، قائداعظم محمد علی جناح علیہم الرحمۃ نے انہیں کی روشنی میں ملت کو بیدار کیا۔ پاکستان کی تشکیل بھی انہیں کے سہارے ہوئی اور اسکا استحکام بھی انہیں پر مبنی ہے۔ اقبال نے جو فرمایا تھا

قوم مذہب سے ہے، مذہب جو نہیں، تم بھی نہیں
جذب باہم جو نہیں، محفل انجم بھی نہیں

مذہب کی روح رواں بھی یہی دو قوتیں ہیں۔

دشمنوں کی سازش: اسلام کے دشمن ہمیشہ انھیں دو قوتوں سے خائف رہے ہیں۔ انھیں معلوم تھا کہ توحید کا عقیدہ عشق رسول کے بغیر کوئی ولولہ پیدا نہیں کرسکتا۔ اس لئے انہوں نے ساری توجہ اسی جذبے کو ختم کرنے پر صرف کر دی شیطان نے اپنے چیلے چانٹوں کو پرزور انداز میں سمجھایا:

وہ فاقہ کش جو موت سے ڈرتا نہیں ذرا
روح محمد ﷺ اس کے بدن سے نکال دو

اگر مسلمان کا سینہ عشق رسول ﷺ سے خالی ہو گیا تو کہاں کی توحید اور کہاں کا جہاد!

دشمن نے اپنے مذموم مقصد کو حاصل کرنے کیلئے جو طریق کار اختیار کیا، از حد مکارانہ تھا۔ یہ حقیقت ہے کہ مسلمانوں کو توحید اور عشق رسول جان سے زیادہ عزیز تھے (اور ہیں) توحید اگر شرک سے بیزاری کا دوسرا نام ہے تو عشق رسول کا اولین تقاضا ادب و اطاعت رسول ہے (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)۔ لہذا مسلمان نہ شرک کو برداشت کرسکتا ہے اور نہ کسی ایسے کام کو جو مخالف سنت (بدعت) ہو۔ دشمن کی مکاری یہ تھی کہ اس نے اپنے زرخرید ملاؤں کے ذریعے ملت کو عشق رسول سے محروم کرنے کیلئے ایسی ہر سوچ کو شرک قرار دلایا، جس کا عنوان تعظیم رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھا، اور ایسے ہر کام کو بدعت کہنا شروع کرا دیا، جس کا مقصود ادب رسول صلی اللہ وآلہ وسلم تھا فرزندان توحید کی شرک سے بیزاری کا اس نے یہ فائدہ اٹھایا کہ شرک شرک، کہہ کر کمالات نبوت کے انکار کی راہ ہموار کرنی چاہی اور بدعت بدعت کی رٹ لگا کر ایسی ہر صورت حال کو روکنا چاہا، جس میں اسے رہ و رسم عشق کی کوئی جھلک دکھائی دی۔

شرک کی حقیقت: چونکہ اسلام دشمنوں کا آلہ کار بننے والوں کو توحید کی حفاظت و اشاعت سے کوئی خلوص نہ تھا، اس لئے انہوں نے مشرک و بدعتی تو امت کو تھوک کے حساب سے کہا، مگر کہیں بھی شرک کی تعریف و وضاحت نہیں کی۔ 'تقویۃ الایمان'، جو اس سلسلے کی (اُردو میں) سب سے پہلی تصنیف ہے شرکیات، کی لمبی لمبی فہرستوں مگر شرک کی تعریف سے سراسر خالی ہے۔ شاید کہیں تعریف کر دیتے تو اپنے نعروں کی ساری قلعی کھل جاتی۔ دیکھیے ان کے ہاں یا رسول اللہ، یا علی، یا غوث کہنا تو شرک ہے، مگر یا زید، یا عمرو، یا بکر، یا استاذی اور یا والدی وغیرہ پکارنا شرک نہیں۔ محبوبان خدا سے امداد طلب کرنا تو شرک ہے، مگر پولیس، حاکم، ڈاکٹر وغیرہ سے مدد مانگنا شرک نہیں۔ گیارہویں کھانا تو شرک جانیں مگر (ہندو کی) دیوالی سے جو کچھ ملے ہڑپ کر جائیں۔ اولیاء اللہ کی قبروں پر جانا تو توحید کے منافی سمجھیں مگر بت پرستوں کے بتوں کی صدارت میں تقریریں بھی فرمائیں (یعنی قبروں سے یہ بیر اور بتوں سے وہ پیار)۔ سچ فرمایا تھا کائنات کے محسن اعظم ﷺ نے کہ ایسے لوگ بھی ہوں گے جو" فیقتلون اھل الاسلام ویدعون اھل الاوثان"

(بخاری و مسلم)

ترجمہ: سو اہل اسلام کو قتل کریں گے، اور بت پرستوں کو چھوڑ دیں گے۔

اب آیئے، شرک کی حقیقت سمجھیں۔ یہ لفظ توحید کی ضد ہے۔ ایک جملے میں توحید وہی ہے جو کلمہ میں آ گئی ہے یعنی "لا الٰہ الا اللہ" اللہ کے سوا کسی کو الٰہ نہ ماننا توحید ہے اور اللہ کے سوا کسی کو الٰہ ماننا شرک ہے۔ الٰہ کیلئے دو خصوصیات ضروری ہیں۔

☆......واجب الوجود ہونا اور

☆......عبادت کے لائق ہونا۔ جو شخص کسی کو بھی واجب الوجود یا عبادت کے قابل مانے، مشرک ہوگا اور جو اللہ ہی کو واجب الوجود یا عبادت کے قابل سمجھے موحد ہے۔ واجب الوجود اپنی ذات و صفات میں کسی کا محتاج نہیں ہو سکتا، بلکہ سب اسی کے محتاج ہیں۔ اسی کو سب کا خالق ہونا چاہیئے۔ مختصر یہ کہ توحید ہے اللہ ہی کو واجب الوجود، خالق اور معبود ماننا، اس کے برعکس شرک ہے۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی سرہٗ فرماتے

ہیں۔

''شرک سہ قسم است، درو جود در خالقیت و در عبادت''

ترجمہ: شرک کی تین قسمیں ہیں: واجب الوجود ہونے میں، کالق ہونے میں، اور لائق عبادت ہونے میں (اشعۃ للمعات ج ۱)

اس وضاحت کے بعد فرمایئے، حضور سرور کون ومکاں کی امت میں کون مشرک ہے، کیا کوئی مسلمان اللہ تعالیٰ کی ذات پاک کے سوا کسی کو خالق، واجب الوجود، یا معبود مانتا ہے؟ نہیں ہرگز نہیں۔ آپ کوروئے زمین پر کوئی ایسا بد بخت ہیں ملے گا جو حضور سرور عالم ﷺ کا متی بنتا ہو اور پھر اللہ کے علاوہ کسی اور کو الہٰ بھی مانتا ہو۔ ہر مسلمان توحید کا یہی اقرار روزانہ کئی بار اذان، اقامت کلمہ طیبہ، کلمہ شہادت کہہ کر، یاسن کر تازہ کرتا ہی رہتا ہے۔

''لا الہ الا اللہ'' ''اشھد ان لا الہ الا اللہ'' حیرت ہے کہ جب ایک کافر و مشرک ایک بار کلمہ طیبہ یا کلمہ شہادت پڑھ کر مسلمان ہو جاتا ہے، تو وہ کلمہ گو، جس کے دل میں یہ کلمہ رچا بسا ہے۔ اور بار ہا اپنی زبان سے انکا تنکرار کر چکا ہے۔ آخر اسے مسلمان کیوں نہ مانا سے شرک میں گرفتار سمجھا جائے۔

یاد رکھیں اور خوب ذہن نشین فرمالیں کہ بحمدہٖ تعالیٰ اور بکرمہ المصطفےٰ (علیہ التحیۃ والثناء) اس امت سے شرک ہمیشہ کیلئے جا چکا۔ یقین نہ آئے تو سب سے بڑے صادق، مصدوق اور مصدق ﷺ کا فرمان سنئے:

''انی واللہ ما اخاف علیکم ان تشرکوا بعدی ولکن اخاف علیکم ان تنافسوا فیھا''

ترجمہ: بے شک اللہ کی قسم! مجھے اپنے بعد تمہارے مشرک ہونیکا کوئی خوف نہیں، اور لیکن مجھے تمہارے دنیا میں پھنسنے کا ڈر ہے۔

بدعت کیا ہے:

یہی حال ''بدعت'' کی رٹ کا ہے۔ عام مسلمانوں کو بدعتی سمجھنے والے خود اس کی حقیقت سے آگاہ نہیں، یا شاید یا شاید آگاہ ہونا نہیں چاہتے ''بدعت'' لغوی اعتبار سے ایسا نیا کام ہے جسکی نظیر پہلے نہ ہو۔ اصطلاح شرع میں وہ نیا کام جو حضور پر نور ﷺ کی ظاہری حیات پاک کے بعد رونما ہوا۔ پھر اس کی بڑی بڑی دو صورتیں ہیں۔ اگر وہ نیا کام شریعت کے مزاج اور سنت کی روح کے مطابق ہو تو اسے اچھی بدعت (بدعت محمودہ یا حسنہ) کہا جاتا ہے، ورنہ (اگر ناموافق ہو تو) بری بدعت (بدعت مذمومہ یا سیءہ)

یہ بات از حد خلاف عقل ہے کہ حضور سرور انبیاء علیہم التحیۃ والثناء کے وصال کے ساتھ فیض نبوت رک گیا ہو اور نیک کاموں کا آغاز مسدود ہو چکا ہو۔ (نیکی اور نیکی کی ابتداء فیض رسالت کے بغیر ناممکن ہے) خوب یاد رہے کہ سید کائنات بلکہ جان کائنات علیہ التحیۃ افضل الصلوٰت واکمل التحیات) کا دور حیات ظاہری اگرچہ تر یسٹھ برس کی عمر شریف (۱۱ھ) میں مکمل ہو گیا۔ مگر دور فیضان رسالت شام ابد تک ہے اس لئے آپ حیات حقیقی کے ساتھ ہمیشہ زندہ ہدی، ہادی، مزکیٔ معلم (کتاب و حکمت) اور مفیض ہیں قرآن حکیم میں یہ صراحت موجود ہے۔ ''ھو الذی بعث فی الامیین رسولا منھم یتلوا علیھم ایتہ ویزکیھم ویعلمھم الکتب والحکمۃ وان کانوا من قبل لفی ضلل مبین ० واخرین منھم لما یلحقوا بھم''

ترجمہ: وہی ہے جس نے ان پڑھوں میں انہی میں سے ایک رسول بھیجا کہ ان پر اس کی آیتیں پڑھتے ہیں اور انہیں پاک کرتے ہیں اور انہیں کتاب وحکمت کا علم عطا فرماتے ہیں اور بے شک وہ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے، اور ان میں اوروں کو پاک کرتے اور علم عطا فرماتے ہیں۔ جو ان اگلوں سے نہ ملے۔

ہم حرص و ہوا کے پتلے، مکرو ریا کے پیکر اور شر نفس کے مجسمے حضور شہنشاہ علیہ الصلوٰہ والسلام رسالت کے دیدار سے محروم رہیں تو الگ بات ہے ورنہ ایسے خوش نصیب بھی ہیں جنہیں سرکار ابد قرار دولتمند ﷺ اکثر خواب میں اپنی زیارت اور مختلف قسم کی ہدایت سے نوازتے رہتے ہیں۔ ایسے دیدہ ور، بھی موجود ہیں جو ظاہری جسمانی آنکھ سے اس جان نور ﷺ کے دیدار سے مشرف ہوتے ہیں اور بالمشافہ فیض حاصل کرتے ہیں۔ علامہ اقبال فرماتے ہیں۔

''میرا عقیدہ ہے کہ نبی کریم ﷺ زندہ ہیں اور اس زمانے کے لوگ بھی اسی طرح مستفیض ہو سکتے ہیں، جس طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہ، ہوا کرتے تھے''

(فیضان اقبال:..... شورش (مکاتیب اقبال بنام خان نیاز الدین خاں ص ۶۰۔۱۴۹ اقبال اکادمی لاہور)

مثلاً ماضی میں حضور سیدنا غوث اعظم، حضرت ابوالحسن خرقانی اور امام سیوطی علیہم الرحمۃ) عظیم المرتبت حضرات جو اس منبع حسن یا حسن کل ﷺ کے ساتھ براہ راست رابطہ رکھتے ہیں، کیا دنیا کا کوئی حسن، عمل میں ہو یا نیت میں، ان سے پوشیدہ رہ سکتا ہے۔

اور کوئی حسن کیا، ان سے نہاں ہو بھلا
جب نہ نبی ﷺ ہی چھپا، ان کی نظر کی پہ سلام

ہم دل کے اندھے کسی بات کے بارے میں کیا فیصلہ دے سکتے

ہیں؟اور ہمارے فیصلے کاوزن ہی کیا ہے۔معیار تو ان اہل نظر کا دیکھنا ہے۔

بقول اقبالؒ

بھروسا کر نہیں سکتے غلاموں کی بصیرت پر
کہ دنیا میں فقط مردانِ حر کی آنکھ ہے بینا

یہ مومنین کاملین جو اللہ کے نور سے دیکھنے والے ہیں۔یقیناً کتاب وسنت کے بعد باقی امت کیلئے 'اچھائی' اور 'برائی' کا خود بہت برا معیار ہیں۔جس کام کو یہ اچھا کہیں یقیناً اچھا ہے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ' سے مروی ہے:

"ماراہُ المومنون حسنا فھو عند اللہ حسن"

ترجمہ: جس کام کو مومن اچھا جانیں، سو وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھا ہے۔

(مرقات شریف)

اور جو کام یہ کریں، بلاشبہ حجت ہے۔یہ شریعت کے مزاج شناس اور سنت کے محرمِ اسرار ہیں یہ مقام عشق پر فائز ہیں، جہاں جلوۂ محبوب بے حجاب دیکھتے ہیں۔ان کا کوئی قدم رضائے جاناں کے خلاف اٹھ نہیں سکتا، ان کا اٹھنا بیٹھنا، چلنا رکنا، سونا، جاگنا سب کچھ رضائے یار کی خاطر ہوتا ہے۔کیا یہ لوگ بھی کوئی نیا کام کریں تو اسے برا کہا جا سکتا ہے؟ وہ دیکھنے میں تو گو یا بدعت ہی ہو گا مگر اصل میں ایسی بدعت جو سنت کے مخالف (مذمومہ یا سیّہ) نہیں بلکہ اسکی تشریح کرنے والی ہے (یعنی بدعت محمودہ یا حسنہ)۔یہ نکتہ اگر ذہن نشین کر لیا جائے تو معلوم ہو گا کہ جس کام کو کسی صحابی، تابعی، مجتہد، عارف باللہ، عاشق رسول، مجدد، مجاہد نے شروع کیا، وہ بدعت حسنہ ہی کہلائے گا۔بدعت مذمومہ وہ ہے جس کی ابتداء واشاعت کسی گمراہ کے ہاتھوں ہوئی۔بدعت حسنہ کو اگر حسن وخیر کی وجہ سے سنت یا سنت حسنہ کہا جائے تو بھی جائز ہے۔حضرت سیدنا مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ' بھی ایسی 'بدعت' کو جو شرع وسنت کے تقاضوں کے ماتحت ہو، سنت کہنا ہی پسند فرماتے ہیں خود حدیث پاک میں بھی اسے سنت حسنہ (نیا اچھا طریقہ) ہی فرمایا گیا ہے۔چنانچہ مسلم شریف میں ہے:

'من سن فی الاسلام سنتہ حسنۃ فلہ' اجرھا واجر من عمل بھا من بعدہ من غیر ان ینقص من اجورھم شییء"

ترجمہ: جو اسلام میں اچھا طریقہ ایجاد کرے، اس کو اپنے عمل کا ثواب بھی ملے گا، اور ان کے عمل کا بھی جو اس پر بعد میں کاربند ہوں گے۔بغیر اس کے کہ ان کے ثواب میں کچھ کمی کی جائے۔ (مسلم شریف)

اس سنت حسنہ (یا بدعت حسنہ) نے تاریخ اسلام میں کیا کیا کارنامے سر انجام دیئے اور امت مسلمہ کو کس قدر مستفید کیا، اسی سلسلے میں صرف چند نکات پر غور فرمائیں:

قرآن حکیم کی تدوین اور بدعات:

حضور سید عالم ﷺ پر قرآن جس زمانے میں نازل ہو رہا تھا، کاغذ ازحد قلیل اور مہنگا تھا بعض صحابہؓ نے اگرچہ اس پر بھی قرآن حکیم لکھا، مگر عموماً کھجور کی چھال، پتھر کی لوحوں، اونٹ کے شانہ کی چوڑی ہڈیوں اور چمڑے کے ٹکڑوں وغیرہ کو استعمال کیا جاتا تھا۔اس دور مبارک میں اسے یکجا نہ کیا گیا، اور نہ اس کی ضرورت ہی محسوس کی گئی (کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنھم) کے سینوں میں قرآن مجید پوری طرح محفوظ تھا اور وہ اس بارے میں بڑے محتاط تھے)۔

حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ' کے دور میں مسیلمہ کذاب کے ساتھ خونریز جنگ ہوئی، تو ستر حفاظ قرآن بھی شہید ہو گئے۔ان حفاظ کے پاس قرآنی اجزا بھی لکھے ہوئے تھے۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ' نے اس نازک صورتحال کے پیش نظر قرآن حکیم کو جمع کرنے کا مشورہ دیا۔حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ' نے جواب دیا:

"کیف تفعل شیئاً لم یفعلہُ رسول اللہ ﷺ"

ترجمہ: تم وہ کام کیونکر کرتے ہو، جو رسول اللہ ﷺ نے نہیں کیا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ' نے عرض کیا:

ھذا واللہ خیر" ترجمہ: اللہ کی قسم یہ اچھا کام ہے۔

حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ' فرماتے ہیں کہ عمر بار بار مجھے یہی کہتا رہے۔

حتیٰ" شرح اللہ صدری لذالک"

ترجمہ: یہاں تک کہ اللہ نے میرا سینہ بھی اس کام کیلئے کھول دیا۔

اور میری رائے بھی عمر رضی اللہ عنہ کی رائے سے مل گئی۔پھر یہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے پاس گئے انہوں نے بھی وہی سوال کیا۔

"کیف تفعلون شیئاً لم یفعلہُ رسول اللہ ﷺ"

اس کا جواب اب حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ' نے وہی دیا یعنی "ھذا واللہ خیر" حضرت زید رضی اللہ عنہ اسی کیفیت سے گزر کر فرماتے ہیں کہ آخر کار اللہ نے میرا سینہ بھی کھول دیا اور میں ان دونوں سے متفق ہو گیا۔(بخاری شریف)

سیدنا حضرت زید رضی اللہ عنہ' کی کاوش سے اب قرآن پاک ایک جگہ نقل کیا گیا۔

حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ' نے اسی نسخے کی نقل سے کئی نسخے تیار کرائے اور مختلف صوبوں میں بھیج دیئے۔اس طرح جو اختلاف فقرات کی بنا پر فتنہ

اٹھنے کا خطرہ تھا ٹل گیا۔

اس زمانے کے رسم الخط کے مطابق قرآن حکیم میں نہ نقطے تھے، نہ اعراب۔ یہ سعادت حضرت سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے شاگرد حضرت ابوالاسود دئلی اور ان کے شاگرد حضرت یحییٰ بن لعمیر کے حصے میں آئی۔ (یہ کام ۵۰ھ کے بعد ہوا) اعراب کی موجودہ شکل عباسی عہد کے ایک عالم خلیل بن احمد علیہ الرحمۃ نے دی۔

تدوین کی اس مختصر کہانی کو سن کر فرمایئے کہ کیا حضرت سیدنا صدیق اکبر، حضرت فاروق اعظم اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہم نے جو کچھ کیا، خدا تعالیٰ و رسول اللہ ﷺ کی رضا کے خلاف تھا؟ اس بات کا سب کو اقرار ہے کہ یہ کام حضور سرور کائنات علیہ افضل الصلوات واکمل التحیات نے اپنے ظاہری دورِ حیات میں سرانجام نہ فرمایا، اس کے باوجود اللہ کی قسم کھا کر اسے خیر فرما رہے ہیں اور اس کو خیر سمجھنے کی وجہ یہ بتا رہے ہیں کی اللہ نے اس کیلئے سینہ کھول دیا ہے (اللہ شرح صدر نہ فرمائے تو بدعتِ حسنہ کی حقیقت کا علم نہیں ہوسکتا)۔

پھر اس قرآن پر لفظوں اور اعراب (زیر، زبر، پیش) کا لگنا، پھر تیس ۳۰ پاروں میں تقسیم اور ہر پارے کے پھر چار ۴ حصے، اس قسم کی بدعتیں جو صدیوں تک ہو کر قرآن مجید کو ہمارے سامنے موجودہ صورت میں لائیں، کیا غیر ضروری تھیں۔ فرض کیجئے یہ سب کچھ نہ ہوتا، اور آج بھی قرآن پاک اسی طرح کھجور کی چھالوں، پتھروں اور ہڈیوں پر لکھا ہوتا تو آج کتنے لوگ کتنا استفادہ کر سکتے۔ وہ لوگ جنہوں نے یہ سب کچھ کیا، انہیں محسن سمجھنا چاہیے یا 'بدعتی'۔ اگر وہ بالیقین محسن ہیں اور انہیں قرآنی خدمات سرانجام دیتے وقت رب کریم اور حضور رسول کریم ﷺ کی تائید و رحمت میسر تھی تو مان جایئے بعض بدعات اچھی بھی ہوتی ہیں اور از حد ضروری بھی۔ جو بدعتِ حَسَنہ جتنی ضروری اور مفید ہوگی، اسی کے مطابق اسے واجب یا مندوب بھی کہہ سکتے ہیں۔ یونہی اس کے برعکس جو بدعت جتنی بری ہوگی اور نقصان دہ، اس کے درجے کے مطابق اسے محرمہ، مکروہہ وغیرہ بھی کہنا درست ہوگا۔ اسی طرح بعض بدعتیں محض جائز ہوں گی یعنی ان پر ثواب ہوگا نہ گناہ)، مباحہ کہلائیں گی۔

احادیث کی تدوین اور بدعات: مختلف وجوہات کی بناء پر جب جعلی حدیثیں گھڑنے کا فتنہ کھڑا ہوا تو حضور سید عالم خاتم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے سچے غلام جو بجا طور پر دین حق کے پاسبان تھے، تڑپ اٹھے۔ انہوں نے ارشادات رسول ﷺ کی حفاظت کا بیڑہ اٹھایا اور فتنہ مذکور کے خلاف بند باندھنے کے لئے راویوں اور مرویات کی جانچ پڑتال شروع کر دی اور اس سلسلے میں کئی علوم، اصطلاحات اور قواعد وضوابط ایجاد کئے (جن سے علم حدیث کا کوئی طالب علم بھی بے خبر نہیں)۔ ان اچھی بدعات کا فائدہ یہ ہوا کہ سنتیں محفوظ ہوگئیں اور امت ایک شدید طوفان سے بچ گئی۔ فرمایئے! یہ لوگ ہمارے محسن ہیں یا بدعتی؟

فقہ اور اصول فقہ: یونہی علم فقہ کو بہترین انداز میں مرتب کیا گیا۔ اصول فقہ با قاعدہ فن کی حیثیت سے ایجاد ہوا۔ استحسان اور استصلاح جیسی اصطلاحات معرض وجود آئیں۔ تصور فرمایئے، اگر فقہ کی وہ خدمات جو ان فقہاء نے انجام دیں، نہ ہوتیں تو آج کتاب وسنت کو سمجھنا کتنا دشوار ہوتا۔

علم کلام: یونہی فلسفہ یونان کا سیلاب آیا اور معتزلہ نے عقل پسندی کا نعرہ لگایا تو اسلام کی حفاظت کے لئے علم کلام ایجاد کیا گیا۔ اس بدعت نے الحاد تشکیک اور عقلیت کا راستہ روک دیا۔ حضرت علامہ غزالی اور امام فخر الدین رازیؒ جیسے بزرگوں نے جس پر اسلام کو ناز ہے اس سے خوب کام لیا۔

بدعتی کون: ان گزارشات سے یہ حقیقت کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ حضور خواجہ کونین ﷺ کے بعد، حضور ہی کے ارشادات کی تعمیل میں کئی نئے اچھے کام جاری ہوئے۔ ان کے جاری کرنے والے خلفائے راشدین، اہل بیت اطہار، صحابہ کرام، تابعین، آئمہ مجتہدین، فقہاء، محدثین، جلیل القدر اولیاء و اصفیاء اور اسلام کے مایہ ناز سلاطین و مجاہدین تھے۔ کون ایسا سر پھرا ہوگا جو ان بزرگوں پر بھی مبتدع یعنی بدعتی ہونے کا فتویٰ لگائے یہ وہ خدا رسیدہ حضرات تھے جن کی زندگی کی ہر ساعت خدا و رسول (جل وعلا وصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی رضا کے لئے وقف تھی۔ انہوں نے جو کچھ کیا، اسلام کی سربلندی اور ملت کی خیرخواہی کے لئے کیا۔ وہ قدسی صفات بزرگ جن کی راتیں سجود و قیام میں گزریں اور دن تبلیغ اسلام میں خود ہمارے لئے دلیل راہ ہیں، چہ جائیکہ انہیں پر بدعت اور خلاف سنت ہونے کا الزام لگایا جائے نہیں، یہ ہرگز "بدعتی" نہیں۔ اصل میں 'بدعتی' وہ ہیں جو ان پر اعتماد نہ کر کے خود ڈیڑھ اینٹ کی الگ مسجد بنا رہے ہیں۔ یہ تمام بزرگ تو اہل سنت ہیں۔ البتہ ان کے منکرین ضرور اہل بدعت ہیں چنانچہ جبریہ (انسان کے مجبور محض ہونے کا عقیدہ رکھنے والے)، قدریہ (انسان کو پوری طرح مختار کہنے والے)، معتزلہ (عقل پرست)، نیچری اور نجدی وغیرہ (ہم یقیناً سنت سے دور اور بدعت میں اسیر ہیں) اوپر یہ بات بھی تفصیل سے آگئی ہے، بلکہ قرآن پاک کے حوالے سے بیان ہوئی ہے کہ حضرت سید دو عالم نور مجسم ﷺ قیامت تک اپنی امت کے ہادی و مربی ہیں۔ جو لوگ اس ہدایت اور تربیت سے فیض یاب ہو سکتے ہیں، ان کی رائے کو غلط، خلافِ سنت اور بدعت کیونکر کہا جا سکتا ہے۔ یہ مومنین کاملین ہیں۔ ان کی اتباع کا حکم خود قرآن پاک نے دیا۔ فرمایا:

و اتبع سبیل من اناب الی (سورہ لقمٰن)

ترجمہ: اور اس کی راہ چل جو میری طرف رجوع لایا

یہ پاک لوگ، یہ مومنین کاملین سراط مستقیم کی پہچان ہیں۔

صراط الذین انعمت علیھم (الفاتحہ)

ترجمہ: راستہ ان کا جن پر (اے اللہ) تو نے انعام کیا۔

ان کے راستے پر نہ چلنا دوزخ میں جانا ہے۔ قرآن پاک میں ہے:

ومن یشاقق الرسول من بعد ماتبین لہ الھدیٰ ویتبع غیر سبیل المومنین نولہ ما تولی ونصلہ جہنمہ وسآءت مصیرا (النسآء)

ترجمہ: اور جو رسول کا خلاف کرے، بعد اس کے کہ حق راستہ اس پر کھل چکا اور مسلمانوں کی راہ سے جدا راہ چلے ہم اسے اس حال پر چھوڑ دیں گے۔ اسے دوزخ میں داخل کریں گے، اور وہ کیا ہی بری جگہ پلٹنے کی (کنزالایمان)

دیکھئے! اگر حضور ہادیء کائنات علیہ افضل الصلوٰت واکمل التحیات کی مخالفت جرم ہے تو ایمانِ کامل والے حضرات (اولیائے کرام) کے راستے سے پھرنا بھی خطرناک ہے۔ ان دونوں کی سزا رحمت خداوندی سے محروم ہونا اور سیدھے جہنم میں جانا ہے۔

فیصلہ کرنے کا طریقہ: ان حقائق کی روشنی میں یہ بات واضح ہوگئی کہ ان پاکانِ امت، جن کی حیثیت مسلم ہے، کا کام بدعت و گمراہی نہیں ہوسکتا۔ ان پر اعتراض تو کجا، ان کی پیروی ضروری ہے۔ کسی کام کے جائز و ناجائز ہونے کے لئے کتاب وسنت کے بعد یہ بھی معیار ہیں، بلکہ کتاب وسنت کی اصل مراد سمجھنے کے لئے ہم انہیں کے محتاج ہیں۔ جو کام انہوں نے کیا، یا پسند کیا، وہ کتاب وسنت کی روح کے خلاف نہیں ہوسکتا۔ اس حقیقت کو ذہن نشین کر لینے کے بعد، آپ کسی تقریب، رسم یا عمل کے بارے میں تحقیق کرنا چاہیں تو دیکھیں اسے کس نے ایجاد کیا، یا کس نے اس پر عمل کیا۔ اگر ایجاد یا عمل کرنے والے پاکانِ امت ہوں تو جھٹ سمجھ لیجئے، یہ شرعاً جائز اور پسندیدہ عمل ہے، ورنہ ناجائز و مکروہ (بالخصوص جب یہ گمراہ لوگوں کی ایجاد یا عمل ہو)۔

مثلاً محفل میلاد شریف کا شرعی حکم کیا ہے، اس کی تحقیق مطلوب ہو تو دیکھیں اسے کس فرقے نے شروع کیا۔ اگر اس کا موجد بہتر ۷۲ گمراہ فرقوں میں سے کوئی نہیں بلکہ محدثین کرام اور صوفیائے عظام ہیں تو یہی اس کے جائز و مستحب ہونے کی دلیل ہے۔ دور حاضر کی فتنہ پرور فضا سے پہلے کی تاریخ پر نظر دوڑائیں تو بڑے بڑے صوفی، محدث، مفسر اور فقیہہ میلاد شریف کی برکات بیان کرتے نظر آئیں گے، جن میں خصوصاً امام سیوطی، امام سخاوی، امام قسطلانی، علامہ ابنِ حجر، صاحب روح البیان، ملا علی قاری، محدث ابن جوزی، حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی علیہم الرحمۃ بہت نمایاں ہیں۔ کیا یہ اہل حق اور اہل علم کتاب وسنت کے خلاف فیصلہ دے سکتے ہیں؟ نہیں اور یقیناً نہیں، تو ماننا ہوگا، محفل میلاد شریف میں تو کوئی قباحت نہیں، قباحت ہے تو ان کے دلوں میں، جو اسے روکتے ہیں۔ پھر یہ سوچیں اگر میلاد شریف کے حامی یہ بزرگ اہلسنت ہیں تو منکرین یقیناً اہل سنت سے خارج ہیں اور جو اہل سنت سے خارج ہوں، اہل بدعت ہوتے ہیں۔

پھر اگر یہ سوال ذہن مین پیدا ہو کہ آخران بزرگوں نے محفل میلاد کا جواز کہاں سے نکالا تو سینکڑوں آیات وروایات مل جائیں گی اور یہ حقیقت کھل کے سامنے آجائے گی کہ ہمارے بزرگ جو کچھ بھی کرتے تھے، کتاب وسنت کی بنیاد پر کرتے تھے۔ پھر اگر یہ خلش محسوس ہو کہ ذکرِ میلاد کو کتاب وسنت میں موجود ہے، مگر محفل میلاد کی موجودہ شکل وصورت اسلام کے ابتدائی دور میں نہیں ملتی، تو سمجھ لیجئے کہ یہ ایک نیا اچھا کام ہے۔ اور نیا اچھا کام کرنے کا ثواب حدیث سے ثابت ہے، بلکہ اس حدیثِ پاک سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ قیامت تک جہاں جہاں بھی محفل میلاد شریف منعقد ہوگی، اس کا ثواب منعقد کرنے والوں کو ہی نہیں اس کے ایجاد کرنے والوں کو بھی ملے گا۔

خدانخواستہ کوئی کج فہم محفل میلاد شریف کو بدعت (یعنی بری بدعت) کہنے پر ہی ہو تو وہ اسی کو بدعت نہیں کہہ رہا بلکہ ان سب صوفیائے کرام، محدثین عظام اور مفسرین فخام کو بدعتی کہہ رہا ہے، جو اپنے اپنے دور میں میلاد شریف کرتے رہے، جن کی تصانیف آج بھی روشنی کا مینار ہیں، جن کی تحقیقات کو ابد تک ملت کا عظیم ورثہ سمجھا جائے گا۔ یہ شخص ان بزرگوں کو معاذ اللہ یوں بدعتی و گمراہ ٹھہرا کر اپنے بدعتی و گمراہ ہونے کا ڈھنڈورا پیٹ رہا ہے، اور قرآن کے فتویٰ (نصلہ جہنم) کی زد میں آکر اپنے دین و دنیا تباہ کر رہا ہے۔

؎ حبِ درویشاں کلید جنت است دشمن ایشاں سزائے لعنت است

اسی طرح ایصال ثواب (تیجا، دسواں وغیرہ) کے بارے میں تحقیق کریں ایصال ثواب یعنی ثواب پہنچانے کی اصل تو کثیر التعداد آیات وروایات سے ثابت ہے البتہ اس کی مختلف مروجہ شکلیں تحقیق طلب ہوں تو دیکھئے بزرگانِ دین کی کیا روش رہی ہے۔ اگر سلف صالحین ان کے خلاف تھے تو آپ بھی خلاف ہوجایئے۔ اور اگر وہ قائل تھے تو آپ بھی مان جایئے۔ چنانچہ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے فلفوظات سے ثابت ہے کہ ان کے والد ماجد حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی قدس سرہ ہما کا 'تیجا' بھی ہوا۔ (اور اس میں اے ختم قرآن اور بے شمار کلمہ طیبہ کا ثواب بخشا گیا)۔ یونہی ساتویں، دسویں، چالیسویں، فاتحہ، جمعرات اور سالانہ عرس کے بارے میں تحقیق کی جائے تو معلوم ہوگا کہ بزرگانِ دین کا مدتوں سے ان پر عمل رہا ہے۔ آج کل اذان سے پہلے اور بعد میں بلند آواز میں درود وسلام پڑھنے پر بھی اختلاف ہو رہا ہے،

حالانکہ آج سے دو چار سو سال پہلے اس پر سب اتفاق و اجماع تھا۔ تحقیق کے مطابق اس کا باقاعدہ آغاز مجاہد اسلام حضرت سلطان صلاح الدین ایوبی علیہ الرحمۃ (متوفی ۵۸۹ھ) نے کیا تھا۔ ایسا شخص جس نے صلیبی جنگوں میں اسلام کے بدترین دشمنوں کو شکستِ فاش دے کر دینِ حق کی حفاظت فرمائی اور جو سیرت و کردار کے اعتبار سے تعلیماتِ قرآنی کی منہ بولتی تصویر تھا۔ 'بدعتی' ہے یا ہمارا اعظیم محسن۔ نیز حضرت ایوبی کی اس کاروائی کو سب علماء وصوفیاء کی متفقہ تائید حاصل رہی اور صدیوں اس 'بدعت حسنہ' پر اجماع رہا۔ حتیٰ کہ محمد بن عبدالوہاب نے اس کی مخالفت کی اور مسجد بیت الحرم کے موذن کو درود وسلام پڑھنے پر شہید کر دیا۔

انصاف کی بات:

اس تفصیلی گفتگو کے بعد بھی اگر کوئی صاحب مطمئن نہ ہوں اور مسلمانوں کو 'بدعتی' کہنے سے باز نہ آئیں تو پھر اپنے طرزِ عمل کو بھی اپنے معیار پر پرکھیں۔ کیا وہ دعویٰ کر سکتے ہیں کہ ان کی زندگی بالکل حضور سید دو عالم، نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم کے ظاہری دورِ حیات کے مطابق ہے۔ اور انہوں نے ہر ایسی چیز سے پرہیز کیا ہے جو اس مبارک زمانے میں نہیں تھی۔ اگر واقعی یہی دعویٰ ہے تو موجودہ شکل میں قرآن پاک ہرگز نہ پڑھیں (کہ یہ شکل بعد کی 'بدعات' سے بنی ہے جیسا کہ مفصل بیان گزرا)۔ یونہی ایسی مسجد میں نماز نہ پڑھیں جو بعد کے تکلفات سے پر ہے (پہلے دور سے اب تک شکل وصورت میں جو تبدیلیاں بھی آئی ہیں، انہیں 'بدعات' کہہ کر حقیقی مسجد تلاش کریں)۔ ایسے کسی مدرسے میں ہرگز تعلیم حاصل نہ کریں، جو اصحاب صفہ کے مدرسے کی ہیئت سے محروم ہو۔ کسی ایسی سواری پر سفر نہ کریں، جو بعد کی ایجاد ہو بلکہ ایسے گھر میں بھی نہ رہیں جس میں موجودہ دور کی سہولتیں ہوں۔ اگر تیجے، ساتویں، دسویں وغیرہ بدعت ہیں تو ہفتہ وار رسائل اور ماہنامے کیوں جائز ہوئے۔ اور دیوبند کا صد ۱۰۰ سالہ جشن کس کھاتے میں رکھیں گے، اور سالانہ اہلِ حدیث کانفرنس کا کیا بنے گا۔ اور اگر دور اول میں کسی نے اہلحدیث یا دیوبندی جیسا نام نہیں اپنایا تو اب یہ 'بدعت' کیوں نہیں؟ وغیرہ وغیرہ۔

مفتی احمد یار خاں علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔ 'ہم نے مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری کو اپنے مناظرے میں کہا تھا کہ آپ حضرات ان چار ۴ چیزوں کی صحیح تعریف کر دیں، جس پر کوئی اعتراض نہ ہو اور وہ جامع و مانع ہو تو جس قدر چاہیں ہم سے انعام لیں۔ ۱بدعت، ۲شرک، ۳دین، ۴عبادت۔ اور اب بھی اپنے رب کے بھروسے پر کہتے ہیں کہ دنیا کا کوئی دیوبندی، کوئی غیر مقلد اور کوئی شرک وبدعت کی رٹ لگانے والا ان چار ۴ چیزوں کی ایسی تعریف نہیں کر سکتا جس سے اس کا اپنا مذہب بچ جائے۔ آج بھی ہر دیوبندی اور غیر مقلد کو اعلانِ عام ہے کہ ان کی ایسی صحیح تعریف کرو، جس سے محفل میلاد (معاذ اللہ) حرام اور رسالہ قاسم اور پرچہ اہل حدیث حلال اور اولیاء اللہ سے مدد مانگنا شرک ہو اور پولیس وغیرہ سے استمداد عین توحید' اور کہے دیتے ہیں کہ انشاء اللہ یہ تعریفیں نہ ہو سکی ہیں، نہ ہو سکیں گی۔

یہاں سیالکوٹ میں ایک صاحب بڑے جوش سے محفل میلاد پر برس رہے تھے اور اسے 'بدعت' کہہ رہے تھے۔ ایک بچے نے جھٹ پیش کی کہ سالانہ اہلحدیث کانفرنس کیوں بدعت نہیں وہیں جوش ٹھنڈا ہو گیا۔ یونہی ایک دفعہ ایک پروفیسر صاحب کو وقت مقرر کرنے کے سلسلے میں میں نے بھی جواب کہلا بھیجا تھا کہ 'بدعت' کا اگر یہی تصور ہے تو فرمایئے، کالج میں مقررہ وقت (پیریڈز) میں مقررہ نصاب، مقررہ تنخواہ (بشمول مقررہ ترقی) پر پڑھانا کیوں بدعت نہیں تو جواب نہ مل سکا۔

فیصلہ کرنے کا دوسرا طریقہ:

ایمان کا دارومدار محبت پر ہے، یعنی خدائے کریم جل مجدہٗ اور حضور رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی محبت پر کثیر آیات و احادیث کے علاوہ عام انسانی عقل کا فتویٰ بھی یہی ہے۔ ذرا خود سوچیں، جو جسے اپنا خدا مان رہا ہے، گویا اسے سب سے بڑا مان رہا ہے، اور جسے اس کا نمائندہ سمجھتا ہے، اسے اپنے خدا کے بعد سب سے بڑا مانتا ہے، چنانچہ کسی کو خدا یا خدا کا نمائندہ ماننے والا اس کی محبت سے خالی نہیں ہو سکتا، اور پھر محبت چونکہ عظمت کی وجہ سے ہے لہٰذا اس کی تعظیم کا منکر بھی نہیں ہو سکتا، اگر کوئی کسی کو خدا یا خدا کا نمائندہ مان کر اس کی محبت و تعظیم سے بے بہرہ ہے تو صاف ظاہر ہے کہ ماننے (یعنی ایمان) کے دعویٰ میں جھوٹا ہے۔

جب خدائی اور نبوت کے جھوٹے مدعی کا ماننے والا بھی ان کی محبت و تعظیم سے معمور ہوتا ہے تو سچے خدا کو اور سچے خدا کے سچے رسول کو ماننے والا اپنے خدا اور رسول کی محبت و تعظیم کے کس درجے پر ہونا چاہیے۔ اور اگر بالفرض کوئی شخص ایمان (یعنی ماننے) کا دعویٰ تو کرتا ہے مگر خدا اور رسول کی محبت و تعظیم کا منکر یا اس سے محروم ہے تو یقیناً یقیناً اپنے دعویٰ ایمان میں جھوٹا ہے۔

اب آپ یہ جاننا چاہیں کہ کون محبّ و معظم (محبت و تعظیم کرنے والا) ہے، تو یہ کوئی مشکل کام نہیں۔ اگر ایک شخص آپ کے باپ بارے میں کوئی رائے دے رہا ہو تو آپ اس کے طرز کلام اور الفاظ و بیان سے جھٹ پہچان جائیں گے کہ وہ آپ کے باپ کا مخالف ہے' یا دوست۔ یونہی جو شخص حضور سید عالم، نور مجسم، حبیب مکرم ﷺ کے بارے میں گفتگو کر رہا ہے۔ آپ اس کے طرز کلام اور الفاظ و بیان سے بھی فوراً اندازہ کر سکتے ہیں کہ وہ چاہنے والا ہے یا چاہت خالی ہے۔ جب آپ اس کے بارے میں یہ جان چکے کہ یہ محبوب خدا علیہ التحیۃ والثناء کی محبت والا ہے' تو فیصلہ کر لیں کہ یہ مومن ہے اگر چہ اسے قرآن پاک بھی پڑھنا نہ آتا ہو اور اگر آپ نے اندازہ کر لیا کہ چاہت اور محبت سے محروم ہے تو یقین کر لیں وہ کافر ہے یا منافق، اگر چہ قرآن پاک کی آیات فر فر سنا رہا ہو۔

یقین کیجئے قرآن پاک اپنے محبوب صلی اللہ علیہ و الہ و سلم کی تصدیق کیلئے آیا ہے،توہین کے لئے نہیں۔

قرآن پاک کی ہر آیت معجزہ ہے(قرآن پاک میں معجزے کو آیت ہی کہا گیا ہے۔معجزہ صاحب معجزہ کی تصدیق نہ کرے تو معجزہ نہیں رہتا۔جب قرآن پاک کی ۶۶۶۶ آیات معجزات ہیں تو معلوم ہوا ہر آیت سرکار دوعالم ﷺ کی عظمت ہی کا بیان ہے۔اگر کوئی شخص ان آیات کو پڑھ کر بھی نبی کریم روف رحیم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے کمالات کا انکار کرتا ہے،تو سمجھ لیجئے ،نہ یہ قرآن کو سمجھا ہے اور نہ مومن ہی ہے۔یہ خدا کا دوست نہیں،دشمن ہے۔اسلام کا مبلغ نہیں،باغی ہے،امن کا حامل نہیں تخریب کار ہے بلکہ کہیئے سب سے بڑا تخریب کار ہے کیونکہ قرآن پر بھی ظلم کر رہا ہے)۔

غور کیجئے اگر کوئی منافق مسلمانوں کو سخت ترین دھوکا دینا چاہے تو کونسا طریقہ اختیار کریگا وہ قرآن پاک پڑھ کر ہی دوسروں کو مرعوب کرے گا۔یا حدیث کی روایات سنا کر اپنے علم کا سکہ بٹھائے گا۔اور اگر ایسا شخص کتاب وسنت ہی کو اپنا سہارا ظاہر نہ کرے تو دھوکا دینے میں کامیاب کیونکر ہوسکتا ہے واضح ہوا کہ منافق کا نہ قرآن سے تعلق ہے نہ حدیث سے وہ صرف دھوکا دینے کے لئے ان کا حوالہ دیتا ہے جو عقیدہ اس کے اپنے خلاف ہے اسے اپنی بچائے کتاب وسنت کے خلاف کہہ رہا ہے اپنے خلاف کہتا تو داؤ نہ چلتا کتاب وسنت کے خلاف ظاہر کر کے اپنی منافقت پر پردہ ڈال رہا ہے اور اپنی کجروی کی صفائی پیش کر رہا ہے۔افسوس ہے کہ اس کی سکیم اس کے خلاف میں بڑی کامیاب رہی آج ملت السلامیہ کا سارا انتشار اسی سکیم کا نتیجہ ہے۔لوگ اپنے باپ کے مخالف کو ایک آدھ لفظ سے ہی پہچان لیتے ہیں لیکن کتاب وسنت کی غلط ترجمانی کرنے والوں کے ارادوں کو نہیں پہچانتے جبہ ودستار،ماتھے محراب،اونچے پائنچے اور نمائش اخلاق نے سادہ دل لوگوں کو حقیقت سے دور کردیا۔آہ،صد افسوس

تسبیح تو نے ڈال کے گردن میں اے صنم
کھینچا ہُما کو مرغ مصلّی کے جال میں

اگر یہ قرآنی تنبیہ ذہن نشین رہتی کہ حضور پر نور ﷺ کی عام سی گستاخی تمام عمر کی نیکیاں تباہ کرنے کے لئے کافی ہے(الحجرات)،تو اس وبا کا شکار نہ ہوتے۔

یہ توحید اور یہ سنت(جیسا کہ اوپر بھی تفصیل سے گزرا)محض پھانسنے کے لئے بطور نعرہ استعمال کیے جاتے ہیں۔اور یہ شرک اور یہ 'بدعت' کے ڈرامے محض گستاخ رسول بنانے کے ہتھکنڈے ہیں۔یہ کتنا دردناک لطیفہ ہے کہ خارجیوں نے اس ذات پات پر ،جسے خود رسول ﷺ نے شہر علم کا دروازہ قرار دیا تھا،(یعنی سید نا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہ) معاذ اللہ،ثم معاذ اللہ شرک کا ناپاک الزام لگایا اور بدبختوں نے اپنے زعمِ باطل میں اپنے اس فتویٰ کو قرآنی حکم قرار دیا یونہی حضرت سیدنا عثمان بن عفان کو،جو جامع آیات قرآن اور تیسرے خلیفہ راشد ہیں،بلوائیوں کی طرف سے معاذ اللہ ثم معاذ اللہ بدعتی کہا گیا۔یہ بلوائی جنھوں نے آخر میں سیدنا عثمان غنی ذوالنورین رضی اللہ عنہ کو شہید کردیا اسلام میں سب سے پہلے فتنہ کے بانی ہوئے اور خارجی جنھوں نے بلآخر سیدنا علی المرتضیٰ شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شہید کیا تاریخ اسلامی کی رو سے تخریب کاروں کا دوسرا ٹولا تھا۔دیکھئے جنھوں نے قرآن خود صاحب قرآن ﷺ سے پڑھ کر اس کی بہترین خدمات انجام دے اور جنہیں خدا اور رسول نے یہ عظمت بخشی کہ ان کا اپنا طریقہ بھی امت کے لئے واجب الاتباع ہے،انہیں کو مشرک اور بدعتی کہا جارہا ہے(العیاذ باللہ)۔معلوم یہ ہوا کہ مفسدین ابتدا ہی سے اس قسم کے نعرے لگاتے ہیں صرف انہیں پہچاننا ضروری ہے اور جو انہیں پہچانتا نہیں ان کے دھوکے میں آجاتا ہے۔اور جو دھوکے میں آجاتا ہے اور پھر انہیں کی طرح دوسروں کو دھوکا دینا شروع کردیتا ہے،یہی پہلے ضال(گمراہ)ہوتا ہے اور پھر مضل(گمراہ کرنے والا)بن جاتا ہے ملت کو یہ پارہ پارہ کرنے والے صالحین اور مصلحین کا لبادہ اوڑھ کر اور بھی خطرناک ہوجاتے ہیں قرآن پاک فرماتا ہے:

و اذا قیل لھم لا تفسدوا فی الارض قالو ا انما نحن مصلحون ٥

ترجمہ:اور جو ان سے کہا جائے،زمین میں فسادمت کرو،تو کہتے ہیں کہ ہم تو اصلاح کرنے والے ہیں۔ (البقرہ)

مختصر یہ کہ شرک و بدعت کی رٹ لگانے والے کے اندازِ بیان اور مقصودِ کلام کا جائزہ لیجئے،اگر وہ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے فضائل وکمالات کا انکار کررہا ہے تو یقین جانیئے،اسے خدا اور رسول ﷺ سے کوئی محبت ہی نہیں اور محبت نہیں تو ایمان نہیں(الا لا ایمان لمن لا محبۃ لہ
یعنی جس میں محبت نہیں،اس میں ایمان نہیں ___ حدیث شریف،مقدمہ دلائل الخیرات شریف) جب ایمان ہی نہیں تو کہاں کی توحید اور کہاں کہ سنت۔دوسروں کو شرک و بدعت سے ڈرا رہا ہے تو یہ وہی بلوائیوں اور خارجیوں کی 'سنت' ہے۔(اور انہیں جس 'سنت' سے محبت ہے،وہ سنتِ رسول ﷺ نہیں،بلکہ دشمنانِ رسول کی 'سنت' ہے)جو خود 'بدعتی' ہے،وہ کسی طریقے کو 'بدعت' کہتا پھرے،کیا ہوتا ہے،یہ تو اس کا 'بہانہ' ہے۔میں نے عرض کیا ہے۔

نام توحید کا لیتا ہے،کبھی سنت کا
کرتا ہے منکرِ تعظیم بہانے کیا کیا

چند سال پہلے کی بات ہے کہ ایک نوجوان جو غیر مقلد خاندان کا چشم وچراغ تھا،میرے

پاس آیا۔ اس نے کہا، میں نے بغور مطالعہ کیا ہے اور تحقیق کے نتیجے میں اہل سنت کا مسلک ہی درست نظر آتا ہے۔ ہاں ایک مسئلہ ضرور کھٹکتا ہے، اور وہ ہے اذان قبل یا بعد درود شریف پڑھنے کا'۔ میں نے اسے بڑی تفصیل سے جواب دیا، جس سے وہ مطمئن بھی ہو گیا (مثلاً یہ کہ درود شریف پڑھنے کا حکم کسی وقت سے مقید نہیں بلکہ مطلق ہے اور مطلق کو مقید کرنا خود بدعت مذمومہ ہے)۔ آخر میں میں نے عرض کیا کہ اس پر غور کرنے کا ایک اور طریقہ بھی ہے۔ اس نے پوچھا، کونسا؟ عرض کیا، آپ منکرین درود کے باقی عقائد پر بھی غور کریں، جنہیں وہ عموماً عوام سے چھپاتے ہیں، مگر ان کی کتابوں میں موجود ہیں، مثلاً خداوند سبوح وقدوس کی صداقت کو واجب نہ سمجھنا، حضور ﷺ کی ختم نبوت کے شرعی و معروف مفہوم کا انکار، ہر مسلمان کو معاذ اللہ رحمۃ للعلمین قرار دینا وغیرہ وغیرہ۔ جن کے ایسے واہی عقائد ہیں، جو انہیں ایمان ہی سے دور کر رہے ہیں، کیا ممکن ہے کہ اتنی عظیم بنیادوں کو ڈھا کر نظریہ تخصیصِ درود میں سچے ہوں۔ اسی طرح جس مذہب کے سب عقائد آپ خود درست مان رہے ہیں، کیا یہ ہو سکتا ہے کہ وہ ایک عقیدے میں غلط ہو)

تصریحات دیوبند: بدعت کا مفہوم اچھی طرح واضح کرنے کے لئے اب قاری محمد طیب سابق مہتمم دار العلوم دیوبند کی کتاب کلمہ طیبہ، مطبوعہ ادارۂ اسلامیات لاہور سے کچھ اقتباسات پیش کئے جاتے ہیں۔ علم و تحقیق میں شاید دیوبند کا کوئی فاضل بھی قاری صاحب کا ہمسر نہیں۔ یہ عبارات کتاب کی پہلی عکسی طباعت ۱۹۷۶ء سے لی گئی ہیں):

۱۔ دین کے سلسلے میں کسی مطلق کو مقید بنانے یا مقید کو مطلق کرنے، کسی عام کی تخصیص کر دینے یا خاص کو عام بنا دینے کا حق اللہ و رسول کے سوا کس کو حاصل ہے کہ اس جرات کی گنجائش ہو؟ پھر بھی اگر کوئی غیر خدا اور رسول ایسا کرے تو حقیقتاً یہ در پردہ شارع ہونے کا دعویٰ ہے، جو بدترین بدعۃ بلکہ شرک فی الرسالۃ ہے، "اعاذنا اللہ منہ" (صفحہ ۲۰)

۲۔ کوئی ایک ضعیف روایت بھی ساقط الاعتبار نہیں مانی گئی ہے ورنہ ضعیف اور موضوع و منکر وغیرہ میں فرق باقی نہیں رہ سکتا، (صفحہ ۴۲)

۳۔ ضعیف روایت منافی احتجاج نہیں، اس لئے ضعیف کہنے والے محدثین حدیث کو ضعیف بھی کہتے جاتے ہیں اور حجت بھی پکڑتے جاتے ہیں۔ (صفحہ ۴۳)

۴۔ ظاہر ہے کہ جب ضعاف کا مجموعہ حسن لغیرہ بن کر احکام تک میں حجت ہے۔ (صفحہ ۴۹)

۵۔ فضائل میں خالص ضعیف حدیث بھی معتبر ہے۔ (صفحہ ۵۰)

۶۔ ظاہر ہے کہ عدم ذکر عدم شئی کو مستلزم نہیں ہوتا۔ (صفحہ ۵۷)

۷۔ اس سے واضح ہے کہ امت کے کسی معمول پر امت اور آئمہ کی طرف سے انکار وارد نہ ہونا اس کے اجماعی ہونے کی دلیل ہوتا ہے.................. اور

ما راٰہ المومنون حسنا فھو عند اللہ حسن۔

ترجمہ: جس کو ایمان والے اچھا سمجھیں وہ خدا کے نزدیک بھی اچھی چیز ہے۔

کے اصول پر خواص مومنین ہوں یا عوام مومنین، ہر دور اور ہر طبقہ میں اسے بلا نکیر اور بلا شبہ جائز بلکہ قربت و طاعت مانتے چلے آئے ہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ اسے مجمع علیہ کلمہ نہ کہا جائے۔ نیز سب جانتے ہیں کہ اسلامی عقائد کے ثبوت کا دارومدار تواتر پر ہے۔ لیکن اس ثبوت میں روایت کا تواتر ضروری نہیں ہے، تعامل کا تواتر بھی کافی ہے جبکہ اس کی بنیاد کتاب وسنت میں موجود ہو۔ (صفحہ ۷۰)

۸۔ اگر کسی مسئلہ پر دور صحابہ کے بعد بھی کسی دور میں اجماع منعقد ہو جائے، تب بھی وہ مسئلہ اجماع ہی سے ثابت شدہ مانا جائے گا۔ کیونکہ اصول اجماع کی شرعی حجتیں اس بارہ میں مطلق وارد ہوئی ہیں جن میں کسی عصر اور قرن کی قید مروی نہیں (صفحہ ۷۷)

۹۔ بلکہ اب میں اور ترقی کر کے یہ عرض کروں گا کہ اگر کسی مسئلہ شرعی میں سلف میں سے کسی کا قول خلاف مین بھی ثابت ہو، اور اس کے باوجود کسی عصر میں اس مسئلہ پر اجماع منعقد ہو جائے اور امت کے خواص وعوام مل کر سب اس پر مجتمع ہو جاویں، تب بھی وہ اجمع معتبر ہوگا۔ (صفحہ ۷۸)

۱۰۔ آخرین کا اجماع اولین کے اجماع کی خود ہی دلیل ہے۔ (صفحہ ۷۹)

۱۱۔ عدم ذکر کے معنی دنیا میں کہیں بھی نفی وممانعت کے نہیں ہوتے۔ (صفحہ ۸۴)

۱۲۔ اگر یہ عدم ذکر آپ کے زعم میں عدم جواز کا مقتضی ہے تو عدم ذکر ممانعت اسی اصول پر اس کے جواز کا مقتضی ہونا چاہیے۔ (صفحہ ۸۴)۳

۱۳۔ کسی مذکور شے سے غیر مذکور شے کی نفی اور عدم جواز پر استدلال کیا جانا دلیل ہی نہیں کہ اس پر تنقید ضروری ہو۔ (صفحہ ۸۸)

۱۴۔ ظاہر ہے کہ ذکر یا ہماری لاعلمی اس کے عدم ثبوت کی دلیل نہیں ہو سکتی بالخصوص ہماری لاعلمی نہ کوئی شرعی حجت ہے نہ عقلی۔ (صفحہ ۱۰۹)

۱۵۔ مطالبہ دلیل کے سلسلہ میں دلیلِ خاص کا مطالبہ ہی اصولاً ناجائز ہے کہ فلاں چیز کی دلیل مثلاً قرآن ہی سے پیش کی جائے یا حدیث سے لائی جائے، تا بعمل صحابہ چہار سد (صفحہ ۱۰۹)

۱۶۔ حقیقت تو یہ ہے کہ امت محمدیہ کا مشرق سے لے کر مغرب تک یہ عام تعامل و توارث صحابہ ہی کے تعامل کی دلیل ہے، جیسا کہ واضح ہو چکا ہے، نیز جبکہ صحابہ کرام سے نفی ثابت نہیں بلکہ مسئلہ سکوت عنہ کے درجہ میں رہے تو امت محمدیہ کے اجماعی تعامل کو انھی کے تعامل کی دلیل تصور کیا جائے گا، جیسا کہ اس کی تفصیلی بحث گزر چکی ہے،

ورنہ بہت سے مباحاتِ اصلیہ جوصحابہ کرام کے زمانے میں زیرِ عمل نہیں آئے مگر اباحتِ اصلیہ کے تحت جائز ہیں یا بہت سے اجتہادی مسائل جو زمانہ صحابہ میں زیرِ عمل تو کیا زیرِ علم بھی نہیں آئے، مگر بعد میں کسی اصولِ شرعی سے مستنبط ہوئے تو وہ اس لئے ناجائز نہیں قرار پاسکتے کہ ان کے بارے میں صحابہ کا عمل منقول نہیں کہ وہاں سرے سے عمل موجود ہی نہیں بلکہ علم بھی سامنے نہیں پس ایسے جائز مسائل پر جب بھی امت عمل پیرا ہو جائے، اسے اس کا حق ہے اور وہ عمل شرعی ہو کر ہی ادا ہوگا۔ (صفحہ ۱۱۰)

۱۷۔ کتاب وسنت کے اندر رہنے کا معیار اتنا تنگ نہیں ہے جتنا ان حضرات نے اسے خیال فرمالیا ہے سنت نبوی کا ذخیرہ صرف بخاری ومسلم یا صحاح ستہ تک محدود نہیں بلکہ ان کے علاوہ بھی بہت کچھ ہے (صفحہ ۱۲۳)

۱۸۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کسی نیک بندے کا درجہ ومقام بلند کریں گے تو وہ عرض کرے گا کہ الٰہی یہ رتبہ مجھے کیسے مل گیا۔ فرمائیں گے تیرے بیٹے کی استغفار کی بدولت جو اس نے تیرے لئے کیا، یعنی ہم سے تیرے لئے مغفرت مانگی۔ (۱۴۶)

۱۹۔ اس ذکر کا حاصل جس کا نام درود شریف ہے تمام جہانوں کے مربی اعظم اور محسن اکرم جناب رسول اللہ ﷺ کا حق پہچاننا اور آپ کی ذات اقدس کے ساتھ غلامانہ تعلق کو ترقی دے کر حضور ﷺ کے ساتھ خصوصی نسبت پیدا کرنا ہے تا کہ اس نسبت کے سبب سے ایک طرف تو حضور کو ہم گنہگار امتیوں کی طرف توجہ خصوصی ہو جائے اور ایک طرف حق تعالےٰ کی عنایت خاص ہم پر منعطف ہو جائے۔ (صفحہ ۱۵۰)

ہماری گذارش:

دور حاضر کے سب سے بڑے دیوبندی عالم جناب قاری صاحب کے مندرجہ بالا فرمودات پر ٹھنڈے دل سے غور فرمایئے اور بتایئے کہ کیا یہ وہی اصول وضوابط نہیں جو علمائے اہل سنت، منکرین کے جواب میں پیش کرتے ہیں۔ کسی کام کے جائز وناجائز یا بدعت وعدم بدعت ہونے کا فیصلہ مقصود ہو تو انہیں ذہن نشین کر لینا چاہیے۔ مثلاً درود شریف پڑھنے کا حکم مطلق ہے، جو اسے کسی خاص وقت سے مقید کرتے ہیں، یا کسی خاص وقت کو اس سے محروم کرنا چاہتے ہیں، وہ قاری صاحب کے نزدیک خود شارع بننے کی گستاخی کے مرتکب ہو رہے ہیں۔ وہ ضعیف حدیثوں کا جو مرتبہ بیان کر رہے ہین، اذان کے وقت انگوٹھے چومنے کے منکرین اسے نہیں مانتے۔ قاری صاحب فرماتے ہیں کہ اجماع کسی دور کا بھی ہو، معتبر ہے بلکہ یہ اجماع صحابہ کی علامت ہے۔ یہ سب درست ہے تو محفل میلاد کی موجودہ شکل پر ایک زمانے میں اجماع امت رہ چکا ہے۔ اس اجماع کے قریباً پچاس ۵۰ سال بعد تاج الدین فاکہانی نے سب سے پہلے اس کا انکار کیا (تفصیل کے لئے دیکھئے انوار ساطعہ)۔ اجماع امت کی شرط جب کسی دور کے اجماع سے بھی پوری ہو سکتی ہے تو فرمایئے محفل میلاد کا انکار کیا اجماعی مسئلے کا انکار نہیں! غرض ان چند سطور سے تمام اختلافی مسائل حل ہو جاتے ہیں، بشرطیکہ دل میں کجی نہ ہو۔

مولٰینا مودودی کا تصور بدعت:

چند سال قبل جماعت اسلامی کے بانی اور سابق امیر جناب مولٰینا مودودی نے غلافِ کعبہ کی نمائش کا وسیع پیمانے پر اہتمام کیا تو مخصوص ذہن کے لوگوں نے اپنی فکری روایت کے مطابق اس سب کچھ کو ناجائز و بدعت کہا۔ مولٰینا نے جواب دیتے ہوئے فرمایا:

"کسی فعل کو بدعت مذمومہ قرار دینے کے لئے صرف یہی بات کافی نہیں ہے کہ وہ نبی ﷺ کے زمانے میں نہ ہوا تھا۔ لغت کے اعتبار سے تو ضرور ہر نیا کام بدعت ہے، مگر شریعت کی اصطلاح میں جس بدعت کو ضلالت قرار دیا گیا ہے، اس سے مراد وہ نیا کام ہے جس کے لئے شرع میں کوئی دلیل نہ ہو، جو شریعت کے کسی قاعدے یا حکم سے متصادم ہو، جس سے کوئی ایسا فائدہ حاصل کرنا یا کوئی ایسی مضرت رفع کرنا متصور نہ ہو جس کا شریعت مین اعتبار کیا گیا ہے، جس کا نکالنے والا اسے خود اپنے اوپر یا دوسروں پر اس ادعا کے ساتھ لازم کرے کہ اس کا نہ کرنا گناہ اور کرنا فرض ہے۔ یہ صورت اگر نہ ہو تو مجرد اس دلیل کی بنا پر کہ فلاں کام حضور ﷺ کے زمانے میں نہیں ہوا، اسے بدعت بمعنی ضلالت نہیں کہا جا سکتا۔

بخاری نے کتاب الجمعہ میں چار۴ حدیثیں نقل کی ہیں، جن میں بتایا گیا ہے کہ عہد رسالت اور عہد شیخین میں جمعہ کی صرف ایک اذان ہوتی تھی۔ حضرت عثمان ؓ نے اپنے دور میں ایک اذان کا اور اضافہ کر دیا، لیکن اسے بدعتِ ضلالت کسی نے بھی قرار نہیں دیا بلکہ تمام امت نے اس نئی بات کو قبول کر لیا۔

حضرت عبداللہ بن عمر صلوٰۃ ضحیٰ (نماز چاشت) کے لئے خود بدعت اور احداث کا لفظ استعمال کرتے ہیں اور پھر کہتے ہیں کہ انها من احسن ما احدثوا یہ ان بہترین نئے کاموں میں سے ہے جو لوگوں نے نکال لئے ہیں۔ نیز فرماتے ہیں کہ یہ بدعت ہے اور اچھی بدعت ہے اور فرماتے ہیں کہ ما احدث الناس شيئا احب الی منها لوگوں نے کوئی ایسا نیا کام نہیں کیا جو مجھے اس سے زیادہ پسند ہو۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تراویح کے بارے میں وہ طریقہ جاری کیا جو نبی ﷺ اور حضرت ابوبکر کے عہد میں نہ تھا۔ وہ خود اسے نیا کام کہتے ہیں اور پھر فرماتے ہیں نعمت البدعة هٰذه (کیا ہی اچھا یہ نیا کام ہے)۔ اس سے معلوم ہوا کہ مجرد نیا کام ہونے سے کوئی فعل بدعتِ مذمومہ نہیں بن جاتا ......بلکہ اسے بدعتِ مذمومہ بنانے کے کچھ شرائط ہیں۔

امام نووی شرح مسلم کتاب میں کل بدعة ضلالة کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں، علماء نے کہا کہ بدعت یعنی باعتبارِ لغت نئے کام کی پانچ ۵ قسمیں ہیں۔ ایک بدعت واجب ہے دوسری بدعت مندوب ہے (یعنی پسندیدہ) تیسری بدعت حرام ہے۔ چوتھی مکروہ اور پانچویں مباح ہے۔

اور تحقیق یہ ہے کہ جو نیا کام شرعاً مستحسن کی تعریف میں آتا ہو وہ اچھا ہے اور جو شرعاً برے کام کی تعریف میں آتا ہے وہ برا ہے ورنہ پھر مباح کی قسم میں سے ہے۔ (فتح الباری)

حضرت قائداعظمؒ اور جذبۂ تعمیر پاکستان

تحریر: پروفیسر محمد مظفر مرزا

"حضرت قائداعظم کو اللہ تعالیٰ نے ان کی زندگی میں ہی وہ مقام عزت و وقار عطا کر دیا تھا جو بڑے بڑے قائدین اور رہنماؤں کو نصیب نہ ہو سکا۔ ۹ ستمبر کو بمبئی میں جناح ہال کا افتتاح ہوا۔ یہ ہال مسٹر جناح کی قومی خدمات کے صلہ میں پبلک کی طرف سے بنایا گیا تھا، ۱۹۱۸ء میں لارڈ ولنگڈن گورنر بمبئی وہاں سے رخصت ہو کر جا رہے تھے تو عوام کی طرف سے ایک سپاسنامہ پیش کرنے کی تجویز تھی مگر جناح نے سخت مخالفت کی، جس پر بہت ہنگامہ ہوا، تمام شہر کے باشندوں کی جب رائے لی گئی تو کامیابی مسٹر جناح ہی کی ہوئی، اسی سال جناح ہال فنڈ قائم کر کے اس عمارت کی بنیاد رکھی گئی۔ جس کی تکمیل ۱۹۲۸ء میں ہوئی۔ ہندو مسلم مناقشات کے اس زمانے میں مسٹر جناح کی ہردلعزیزی کا اندازہ مسز نائیڈو کے ان الفاظ سے ہوتا ہے جو انہوں نے افتتاح ہال کے وقت کہے تھے،" جناح ہندو مسلم کے اتحاد کا پیغامبر ہے، اور ایک ایسی خوش نصیب شخصیت ہے جس کے ہم وطنوں نے اپنے وطن اور اس کے حسین حیات ہی میں قدر کی ہے"

(مسلمانوں کا ایثار اور آزادی کی جنگ، از عبدالوحید خان، ص ۱۶۸)

مسز اینی بیسنٹ نے کہا" جناح جیسی شخصیتیں بنی نوانسان کی آزادی کے گلے کا ہار ہیں، جن کی یاد ہمیشہ تازہ رہے گی؛"

(ہمدرد، ۱۱ ستمبر ۱۹۲۹ء ص ۷)

مجھے یاد ہے کہ قیام پاکستان کے بعد جب میں پرائمری سکول میں پڑھتا تھا، میرے مرحوم والد جو تحریک پاکستان کے سرگرم رکن اور انتہائی محب وطن انسان تھے، جب کبھی کسی بڑے قومی لیڈر کی آمد پر جلسہ منعقد ہوتا تو وہ مجھے ضرور ساتھ لے جایا کرتے، انہی کی بدولت مجھے قائداعظم کے قابل صد احترام ساتھیوں اور قابل اعتماد رفقاء کار جن میں نوابزادہ لیاقت علی خان، سردار عبدالرب نشتر، خواجہ ناظم الدین، آئی آئی چندریگر، عبدالحمید دستی، اور عبدالقیوم ایسے زعما کی تقاریر کے سننے کا شرف نصیب ہوا، ان کے چمکتے دمکتے پرنور چہرے ابھی تک میرے قرطاس ذہن پر منقش ہیں۔

ایک مرتبہ سردار عبدالرب نشتر مرحوب سرگودھا تشریف لائے، کمپنی باغ میں جلسہ ہوا، اس جلسے میں سردار نشتر نے اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوا کہا" قیام پاکستان کے فوراً بعد، کراچی میں ہم نے اپنی حکومت کا صدر دفتر قام کیا، تو بیٹھنے کیلئے نہ کرسی تھی نہ میز، لکھنے کیلئے نہ قلم تھا نہ کاغذ، بے سروسامانی کا عالم، افراتفری کا سماں مہاجرین کیلئے لٹے پٹے قافلے، قتل وغارت کا بازار گرم تھا، ہم سب کے چہرے مغموم، افسردہ اور پریشان تھے، کہ اب کیا ہوگا، پاکستان کا نظام کیسے چلے گا، ہمیں دیکھ کر حضرت قائداعظم بھانپ گئے، اور انہوں نے مخصوص گرجدار لہجے میں ہمیں مخاطب ہو کر فرمایا" حضرات حالات خواہ کچھ بھی ہوں، دل آزار اور مایوس کن کیوں نہ ہوں لیکن آپ نے شکست نہیں کھائی جس طرح آپ نے انگریزوں اور ہندوؤں سے شکست نہیں کھائی اور اتنی بڑی سلطنت کو معرض وجود میں لا کر دم لیا"، یہ فرمان یا حکم کیا تھا کہ بجلی کی طرح نازل ہوا، اور ہمارے دلوں میں وہ جوش ولولہ وہ جرات واستقامت بھر گیا کہ ہمارا دل گواہی دینے لگا کہ پہاڑوں سے ٹکرائیں تو انہیں پاش پاش کر دیں گے۔

ہمارا ملک جس دوراہے پر کھڑا ہے، اس سے کوئی بھی محب وطن پاکستانی روگردانی نہیں کر سکتا، ہمارے ملک کا ایک حصہ جسے مشرقی پاکستان کا نام دیا گیا تھا، اپنوں اور بیگانوں کی ریشہ دوانیوں کا شکار ہو کر ہم سے الگ کر دیا گیا، پھر قوم کو مجبور کیا گیا کہ" حقائق" کو تسلیم بھی کیا جائے، حضرت قائداعظم نے اپنا تو سب کچھ قربان کر کے پاکستان قائم کیا تھا، اپنی صحت، اپنی کمائی، اپنی دولت، اپنا آرام وسکون، اپنی ازدواجی زندگی سب کچھ اپنی قوم کیلئے وقف کر رکھا تھا، مسلمانان ہند کی آزادی وخود مختاری کیلئے جان کی بازی تک لگا دی تھی وہ اتنی بڑی آزاد مملکت دے گئے مگر ہم نے اسے مضبوط ومستحکم بنانے کے بجائے اس کے دو ٹکڑے کر کے رکھ دیئے کیا ایسا نہیں ہوسکتا تھا کہ جذبہ تعمیر پاکستان اتنا عروج وکمال حاصل کرتا کہ کوئی ایسا قائد پیدا ہوتا، جو کشمیر کو پاکستان میں شامل کراتا افسوس کہ قائداعظم کے رحلت فرمانے کے بعد ہمیں آج تک قائداعظم کے پلے کا قائد نصیب نہ ہو سکا۔

ہمیں اس تلخ حقیقت کو ہرگز فراموش نہیں کرنا چاہیے کہ ہمارے ہمسائے نے ابھی تک ہمارے اسلامی تشخص ووجود کو تسلیم نہیں کیا ہے، وہ ہر لحظہ ہاتھی

کے دو کان جو کٹ گئے تھے، باہم جوڑنے کے درپے ہے۔ وہ اس تاک میں ہے کہ پاکستان کو کس وقت زک پہنچائے اور اسے مہا بھارت کا حصہ بنالے۔ لدھیانہ میں ۱۹۴۱ء "اکھنڈ بھارت کانفرنس" کا انعقاد ہوا۔ جس کی صدارت مسٹر منشی نے کی تھی۔ اپنے صدارتی خطبہ میں اس نے کہا تھا" آپ کو معلوم ہے کہ نظریہ پاکستان کا مفہوم کیا ہے اس کا مفہوم یہ ہے کہ "مسلمان اپنے لئے ایسے مساکن بنائیں جہاں زندگی اور طرز حکومت قرآنی اصولوں کے سانچے میں ڈھل سکے اور جہاں اردو ان کی قومی زبان بن سکے، مختصر الفاظ میں یوں سمجھئے کہ پاکستان مسلمانوں کا ایسا خطہ ارضی ہوگا جس میں اسلامی حکومت قائم ہوگی، ہندو قوم خواہ کتنی ہی بزدل اور غیر منظم کیوں نہ ہو وہ کبھی اسے برداشت نہیں کرسکتی کہ مسلمان اس قسم کی حکومت قائم کرلیں، اس قوم میں ہندو قوم کے افراد شمشیر وسناں کا نشانہ بنائے جائیں گے، ان کی عورتوں کی عصمت دری اور ان کے مقدس مقامات کی بے حرمتی ہوگی" (بحوالہ طلوع اسلام، دسمبر ۱۹۴۱ء)

ہندو کی پکار یہ تھی کہ مسلمانوں نے اپنی الگ مملکت قائم کرلی تو خیر، لیکن ہم (ہندو) اسے برداشت نہیں کرسکیں گے کہ وہ وہاں اسلامی مملکت اور حکومت قائم کرلیں، قائداعظم کی وفات کے بعد' ہندوستان ٹائمز نے اپنے ایک اداریہ میں لکھا تھا۔ "پاکستان بالخصوص مشرقی بنگال کی اقلیتوں میں اتنا خوف و ہراس اور اکسی چیز سے پیدا نہیں ہوا جتنا اس حقیقت سے کہ پاکستان کے راہنماؤں نے متعدد بار اعلان کیا ہے کہ وہ پاکستان میں اسلامی اصول و روایات کے مطابق اسلامی مملکت قائم کرنا چاہتے ہیں' اگر کشمیر کا مسئلہ پرامن طریق سے طے ہوجائے اور پاکستان اسلامی سٹیٹ کے خیال کو ترک کردے اور اپنے سامنے ایک جمہوری ریاست کی تشکیل کا نصب العین رکھے تو اس سے پاکستان اور بھارت اور ہندوؤں اور مسلمانوں میں خوشگوار تعلقات کا ایک نیا دور شروع ہوجائے گا"۔

یہ تھے وہ نظریات و تصورات جو ہندوؤں نے مسلمانوں کے خلاف اپنائے ہوئے ہیں' اور نا حال یہی ہے، اس صورتحال کے پیش نظر ہمارے لئے یہ ضروری ہے کہ ہم اپنی نوجوان نسل کو بتائیں کہ ہم نے ہندو سے کیوں علیحدگی کا مطالبہ کیا اور پاکستان کیوں معرض وجود میں آیا......اس کے علاوہ نظریہ پاکستان کے بارے میں نوجوانان ملت کو آگاہ کرنا ضروری ہے کیونکہ نظریہ پاکستان ہی درحقیقت پاکستان کے وجود کو باعث بنا تھا۔

ہماری نوجوان نسل کو جس نے تعمیر پاکستان کا فریضہ انجام دینا ہے، ہندو کی اجتماعی نفسیات اور ہندو کی ذہنیت سے آگاہ رکھنا، ہمارے قائدین کرام اور اساتذہ کرام کا فرض اولین ہے، اگر وہی نظام ہمارے ملک میں راج ہوجاتا جو مطالبہ پاکستان کا اصل محرک و مقصد تھا، جس کے نفاذ کے بارے میں ہم عرصے سے کہتے چلے آرہے ہیں' تو قوم کے افراد میں شکوک وشبہات کبھی جنم نہ لیتے، خصوصاً جوان نسل کے قلب و دماغ میں اضطراب اور گمراہ کن نظریات در نہ آتے'......یہی سبب ہے کہ ہمارے موجودہ انتخابات میں جمہوری عمل نے یہ ثابت کردیا ہے کہ وہ بعد مکانی جس میں اسلامی روح کی وجہ سے قرب روحانی جلوہ گر ہونا چاہئے تھا، اس نے قرب مکانی میں بعد روحانی کے جلوؤں کو آشکار کیا ہے۔

حضرت قائداعظمؒ نے کراچی کے مسلم لیگ کے اجلاس میں ۱۹۴۳ء میں فرمایا تھا" وہ کونسا رشتہ ہے جس میں منسلک ہونے سے تمام مسلمان جسد واحد کی طرح ہیں، وہ کونسی چٹان ہے جس پر ان کی ملت کی عمارت استوار ہے، وہ کونسا لنگر ہے جس سے اس امت کی کشتی محفوظ کردی گئی ہے؟ وہ رشتہ وہ چٹان، وہ لنگر خدا کی کتاب قرآن کریم ہے، مجھے یقین ہے کہ یوں یوں ہم آگے بڑھتے جائیں گے، ہم میں زیادہ سے زیادہ اتحاد پیدا ہوتا جائے گا، ایک خدا، ایک رسول، ایک کتاب، ایک امت"

تقریب میلاد کے سلسلے میں کراچی بار ایسوسی ایشن کو حضرت قائد اعظم نے جس خطبے سے نوازا پاکستان قوم کیلئے بہت اہمیت کا حامل ہے۔" آج ہم دنیا کی عظیم ترین ہستی کو نذرانہ عقیدت پیش کرنے کیلئے جمع ہوئے ہیں، آپ ﷺ کی عزت وتکریم کروڑوں عام انسان ہی نہیں کرتے، بلکہ دنیا کی عظیم شخصیتیں آپ کے سامنے سر جھکاتی ہیں، میں ایک عاجز ترین، انتہائی خاکسار بندہ ناچیز اتنی عظیم، عظمتوں کی بھی عظیم ہستی کو بھلا کیا اور کیسے نذرانہ عقیدت پیش کرسکتا ہوں، رسول اکرم ﷺ عظیم مصلح تھے، عظیم رہنما تھے، عظیم واضع قانون تھے، سیاست دان تھے، عظیم حکمران تھے"۔

ہمیں آج بھی کسی ایسے شخص کی ضرورت ہے، جس کا اسلام سے تعلق محض سیاسی نہ ہو، جس کا عشق رسول ﷺ سچا اور پکا ہو، وہی اس امت کی خیر خواہی اور خدمت وہی کرسکے گا، جو شمع رسالت کا پروانہ ہوگا، اس ملک کی تعمیر و استحکام وہی کرسکے گا جس میں ہوس جاہ موجودہ نہ ہوگی" "امین ﷺ" کی امت کیلئے مردامین کی ضرورت ہے۔

غلام مصطفےٰ مجددی ایم اے

عجم ہنوز نہ دانند رموز دیں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مجلس عمل پاکستان کے مرکزی رہنما مولانا فضل الرحمٰن صاحب ہندوستان کی "یاترا" کے دوران خوب گل کھلا رہے ہیں۔ لگتا ہے وہ اس "یاترا" میں بہت سے مقاصد حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ ان کا ایک مقصد تو یہ ہے کہ بھارتی وزیر اعظم کو شادی کے لیے مائل کیا جائے۔ اس سلسلے میں انہوں نے بھارتی وزیر اعظم کو ترغیب دلائی ہے کہ پاکستان میں کافی ہندو گھرانے آباد ہیں۔ آپ کی مرضی ہو تو کوشش کی جا سکتی ہے۔ مولانا نے اپنے فکری سرچشمے دیوبند میں بھی بڑی عقیدت وارادت کے ساتھ حاضری دی اور وہاں سے انہیں ان کے فکری آباؤ اجداد کا سبق یاد دلایا گیا۔ مولانا کا فکری تعلق کانگریسی علماء کے ساتھ ہے۔ جنہوں نے ہر قدم پر پاکستان کی ایسی جان توڑ مخالفت کی کہ گاندھی اور نہرو کی کوششیں بھی ماند دکھائی دیتی ہیں، مولانا کے والد گرامی مولانا مفتی محمود صاحب بھی کئی مرتبہ وطن عزیز کو "گناہ" سے تعبیر کرتے رہے اور خود مولانا بھی اس فکر تاریک کے علمبردار بنے رہے۔ یہ اسی فکر تاریک کا کرشمہ ہے کہ انہوں نے "دیوبند" کے بے وفا ماحول میں قدم رکھتے ہی، اسی ہزار (۸۰۰۰۰) کشمیری مسلمانوں کی شہادت کے ساتھ سنگین مذاق کرنا شروع کر دیا اور یہ بھی نہ سوچا کہ وہ ان کشمیریوں کے نام پر لاکھوں کروڑوں روپے کا چندہ جمع کر کے جہاد کی بجائے اپنے گستاخ مذہب کی اشاعت میں صرف کر چکے ہیں۔

دیوبندی علماء کی منافقانہ پالیسیوں سے پوری دنیا آگاہ ہے۔ ان لوگوں کی ایک ٹانگ پاکستان میں ہوتی ہے اور دوسری ٹانگ ہندوستان میں ہوتی ہے۔ ان کا ایک گروپ تبلیغی جماعت کے روپ میں جہاد کشمیر کا شدید منکر ہے۔ اسی طرح جمیعت علماء اسلام نے جہاد کشمیر کی اہمیت و ضرورت کا قطعی انکار کر دیا ہے، ان کے ترجمان ریاض درانی کی ہفوات ملاحظہ کیجیے۔

"جہادی تنظیموں نے غریبوں کے بچے ورغلائے، انہیں خدا کو جوابدہی کرنا ہوگی۔ تحریک جہاد کو جہاد نہیں کہا جا سکتا، یہ زمین کے ٹکڑے کے لیے ہو رہی ہے، نظریاتی جنگ نہیں۔ (نوائے وقت ۲۱ جولائی ۲۰۰۳ ص ۱)

جمیعت علماء اسلام کی اس پالیسی کو "واجپائی سرکار" نے بھی خراج عقیدت پیش کیا ہے۔ موجودہ یاترا میں مولانا فضل الرحمٰن نے اعلان فرمایا ہے کہ پاکستان، ہندوستان اور کشمیری قیادت راضی ہو تو کنٹرول لائن کو مستقل سرحد تسلیم کر لیا جائے۔ یہ اعلان اتنا خطرناک ہے کہ کوئی محب وطن گوارا نہیں کر سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ حریت کانفرنس اور ملک عزیز کے ہر طبقہ فکر نے اس کے خلاف آواز بلند کی ہے۔ حیرت کی بات ہے کہ کل تک تو مولانا فضل الرحمٰن تو ان کی پوری ذریت چلا رہی تھی کہ جنرل مشرف نے کشمیر کا سودا کر دیا ہے۔ حالانکہ جنرل مشرف نے کبھی ایسا غیر ذمہ دارانہ بیان جاری نہیں کیا ہے، وہ آج بھی مسئلہ کشمیر کشمیریوں کی صوابدید کے مطابق حل کرنے پر زور دیتے ہیں لیکن کشمیر کے ان خیر خواہوں نے کشمیر کا کس ظلم کے ساتھ کباڑا کیا ہے، کوئی تصور بھی نہیں کر سکتا۔

ان کانگریسی علماء کا ایک گروپ "جیش محمد" کی شکل میں جہاد کشمیر، جہاد افغانستان اور جہاد عراق کا عالمی ٹھیکیدار ہے۔ اس گروپ نے چند سالوں میں قوم کا وہ مال اکٹھا کیا ہے اور جہاد کی بجائے اپنی کتابوں، رسالوں اور درسگاہوں پر خرچ کر کے مذموم نظریات کو فروغ دیا ہے کہ الاماں والحفیظ، نجانے اس اونٹ کی کونسی کل سیدھی ہے۔ اقبال نے انہی لوگوں کے "جد امجد" کے بارے میں فرمایا تھا

عجم ہنوز نہ دانند رموز دیں ورنہ
ز دیوبند حسین احمد ایں چہ بوالعجبی است

ان لوگوں کا خمیر ہی ملت کی بے وفائی سے تیار ہوا ہے لہٰذا ان سے بہتری کی کوئی توقع بھی سراسر عبث ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے اکابرین نے ان لوگوں کو اپنے سے ہمیشہ دور رکھا۔ وہ عظیم لوگ اپنی فراست ایمانی سے ان کے اندر کا حال بخوبی جانتے تھے، کاش ہم ان کی بصیرت و فراست پر اعتماد کرتے اور ان کے تعاون کی بجائے اپنی صفوں کو درست کر کے قدم بڑھاتے۔ پوری دنیا ان کی "فساد نما" جہادی کاوشوں اور مذہبی دہشت گردیوں سے نالاں ہے۔ جبکہ ہم ان کو اپنے سینے سے لگا کر اپنے بزرگوں کی روحوں کو بے چین کر رہے ہیں۔ اور ان کی ریشہ دوانیوں کی عملی تصدیق کر رہے ہیں، مولانا فضل الرحمٰن کی اس حرکت پر "سر راہے" کا بصیرت افروز تبصرہ ہمارے بہت سے سیاسی لیڈروں کے لیے بھی اور خود "نوائے وقت" کے کار پردازوں کے لیے بھی موزوں ہوگا، جنھوں نے حکومت وقت کی ہر جائز و ناجائز مخالفت کے لیے اس قسم کے ناپاک دشمنوں کو ہیرو بنا رکھا ہے۔ لیجیے تبصرہ ملاحظہ کیجیے

"مجلس عمل کے رہنما مولانا فضل الرحمٰن نے کہا ہے کہ تینوں فریق راضی ہوں تو کنٹرول لائن مستقل سرحد بنائی جا سکتی ہے۔ مولانا کے جوہر جتنے بھارت جا کر کھلے ہیں اتنے پاکستان میں رہ کر بھی نہیں کھلے، کانگریسی علماء کی خو بوان میں پوری طرح موجود ہے۔ اس لحاظ سے وہ اپنے اسلاف کے لیے ننگ کا باعث نہیں بنے، یہ ان کے خوش فہم پاکستانی پیروکاروں کی بھول تھی کہ مولانا بھارت جا کر کافر کی مخالفت اور کشمیر کی بابت زیادہ تیز ہو جائیں گے۔ اگر کنٹرول لائن کو مستقل سرحد ماننا ہوتا تو بابائے قوم پچاس برس پہلے اسے مستقل مان کر کشمیر سے دست بردار ہو گئے ہوتے اور آج مولانا کو یوں دشمن کے وطن میں بے نقاب نہ ہونا پڑتا۔ ہم خوش فہم لوگ ہیں اس لیے یہ قیاس بھی کرتے ہیں کہ مولانا نے اپنے میزبانوں کے پاس خاطر کے لیے یہ بیان دیا ہوگا۔ بہر حال یہ بڑی عجیب بات ہے کہ علمائے ہند تو سرے سے کسی حد سرحد کے قائل ہی نہ تھے۔ مولانا نے تو پھر بھی کنٹرول لائن کو مستقل سرحد بنانے کی تجویز دی ہے۔ بعض علماء نے ان کے بیان کو شہدائے کشمیر کے خون سے غداری قرار دیا ہے حالانکہ مولانا کا جہاد کشمیر سے بھی اتنا ہی تعلق ہے جتنا کہ کنٹرول لائن سے۔ مولانا نے یہ بیان سوچ سمجھ کر دیا ہے اور جتنے عرصے سے جہاد کشمیر جاری ہے اتنا عرصہ وہ اپنی یہ تجویز ہی تو سوچتے رہے ہیں۔ کسی نے جھوٹ تو نہیں کہا کہ ملا کی دوڑ مسجد تک، اسے میدان شہادت یا اس میں کام آنے والوں سے کیا کام

☆☆☆

پیغمبر اسلام ﷺ کے غلاموں کا عظیم کارواں

شیران اسلام پاکستان

دعوت

ابتدائے آفرینش سے ہی نیکی اور بدی کی جنگ اور حق و باطل کے معرکے ہو رہے ہیں۔ اسلام دشمن قوتیں دنیا بھر میں اہل اسلام کو صفحہ ہستی سے مٹانے کیلیے سرگرم عمل ہیں اور مسلمان خواب خرگوش کے مزے لوٹ رہے ہیں۔ اس تشویش ناک صورت حال میں سیاسی مناقشات علاقائی وطبقاتی تعصّبات سے الگ تھلگ رہتے ہوئے غلبہ دین حق کی بحالی واحیائے دین کی عظیم تحریک شیران اسلام پاکستان میں شامل ہو کر خدا اور اس کے خوشنودی حاصل کریں۔

اغراض و مقاصد

اسلام کی دعوت و تبلیغ اور اس کے ہمہ گیر نظام (نظام مصطفیٰ) کے تعارف، برکات ،ضرورت وتشریح اور مختلف حلقوں کے اعتراضات وشبہات کے ازالہ کیلیے ماہنامہ مجلۃ الحقیقہ و دیگر ضروری لٹریچر کے ذریعہ مسلسل جد وجہد

☆......عقیدہ توحید اور جذبہ عشق رسول ﷺ سے نوجوانوں کو سرشار کرنا

☆......عقیدہ ختم نبوت ﷺ اور ناموس رسالت ﷺ کا تحفظ

☆......اسلام اور اکابرین اسلام کے بنی نوع انسان پر احسانات کا شعور پیدا کرنا

☆......پاکستان کے اسلامی تشخص اور اسکی نظریاتی سرحدوں کی حفاظت

☆......فکری وسماجی دہشت گردی کے خلاف جہاد

☆......انسانی حقوق کے اسلامی تصور کو اجاگر کرنا

☆......طاغوتی، استحصالی، اور شیطانی قوتوں کے خلاف جہاد

☆......سلف صالحین کے مطابق اسلامی عقائد کی حفاظت

خبر نامه

یه هے امریکه کی 'انسان دوستی'۔

[موجودہ دور میں امریکہ میں جو حقوق انسانی کا سب سے بڑا چمپین ہونے کا مدعی ہے۔مسلمان قیدیوں کے ساتھ کیا سلوک کر رہا ہے،اس تازہ خبر کو ملاحظہ فرمائیے۔اور خود فیصلہ کیجئے انسانیت کی بقا کے لیے امریکہ کا نظام وحشت کار آمد ہے یا اسلام کا نظام رحمت]

اسلام آباد(خبر نگار خصوصی)امریکی فوج اور شمالی اتحاد نے افغانستان سے گرفتار کیے گئے بے گناہ مسلمانوں پر بربریت کی انتہا کر دی ہے۔زخمی افراد کو زندہ دفن کیا گیا،داڑھیاں منڈوا دی گئیں۔نماز اور اذان تو درکنار آسمان کی طرف دیکھنے کی اجازت نہیں تھی۔عالمی حقوق کے چیمپئن امریکہ نے 'گوانتانا موبے' میں انسانیت کی تذلیل اور توہین کی تمام حدوں کو توڑ ڈالا۔یہ بات امریکی قید سے رہائی پانے والے پاکستانی شہری محمد صغیر نے اتوار کے روز یہاں ایک مقامی ہوٹل میں پر ہجوم پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے کہی۔ان کے وکیل اکرم چودھری بھی ان کے ہمراہ تھے فاضل ایڈووکیٹ نے کہا کہ ان کے موکل کو شدید ذہنی وجسمانی،روحانی تشدد کا نشانہ بنایا گیا۔سوا سال سے زیادہ غیر قانونی حراست میں رکھا گیا۔بنیادی حقوق کی خلاف ورزی ہی نہیں بلکہ پامالی کی گئی۔اسلئے ہم نے امریکی حکومت کو ہرجانے اور ازالے کے لیے ایک کروڑ چار لاکھ امریکی ڈالر کی ادائیگی کا قانونی نوٹس ارسال کر دیا ہے۔اگر امریکی متعلقہ محکموں نے ۹ اگست تک اس کا مثبت جواب نہ دیا تو معاملہ ہم عالمی سطح اور ہر متعلقہ فوم پر اٹھائیں گے۔فاضل وکیل اور محمد صغیر نے کہا کہ بیس ہزار سے زائد مسلمانوں کو شمالی اتحاد اور امریکی فوج نے گرفتار کیا جنہیں بند کنٹینروں میں رکھا گیا جس سے دم گھٹنے سے ہزاروں افراد ہلاک ہو گئے جب کہ صرف اس کے کنٹینر میں ۵۰ (پچاس) افراد شہید ہوئے۔گوانتا موبے میں قیدیوں سے زبردستی خون نکالا جاتا تھا اور زبردستی ٹیکے لگائے جاتے تھے۔مزار شریف اور نہر غان کے کیمپوں میں بھی ظلم کی انتہا کی گئی۔ستر (۷۰) قیدی لوگوں کو چند روٹیاں اور ایک لوٹا پانی چوبیس گھنٹے میں دیا جاتا تھا۔امریکی افواج اور اہلکار قیدیوں کو لاتوں اور بندوقوں کے بٹ مارتے تھے۔جسم جکڑا ہوتا تھا۔ہتھکڑیاں اور بیڑیاں لگا کر منہ پر ٹیپ لگا دی جاتی تھی۔کھانے میں شراب اور سور کا گوشت ملا دیا جاتا تھا۔علاج معالجہ کی سہولت نہیں تھی۔اسامہ،ملا عمر اور ۱۱ ستمبر کے واقعے کے بارے میں تفتیش کی گئی۔لاعلمی پر چھ ضرب چھ کے ٹھنڈے کمرے میں جہاں کا درجہ حرارت نقطعہ انجماد سے بھی نیچے تھا قید کر دیا جاتا تھا۔اور جب جسم فریز ہو جاتا تو نکال لیا جاتا تھا پھر ڈالا اور نکالا جاتا تھا۔صغیر نے کہا میرے بچے لاوارث ہو گئے۔کاروبار کو نقصان پہنچا اور میں اس وقت پچاس لاکھ کا مقروض ہوں۔ایک سوال کے جواب میں انہوں نے کہا ہمیں جب بے گناہ قرار دے کر رہائی کی اطلاع دی گئی تو رہائی سے پہلے ہمیں ایسے ٹیکے لگائے گئے جن سے میرا جسم موٹا ہو گیا تا کہ میں صحت مند نظر آؤں۔اب سوزش اتر گئی ہے اور میں مختلف بیماریوں میں مبتلا ہوں۔بول نہیں سکتا گلا خراب رہتا ہے۔اکرام چودھری نے کہا کہ یہ قانونی جدوجہد انجام تک پہنچائیں گے۔امریکہ نے عالمی عدالت انصاف کے معاہدے پر دستخط نہیں کیئے،اسے خطرہ ہے کہ سب سے زیادہ مقدمات اس کے خلاف دائر ہوں گے،امریکہ خائف ہے،امریکہ پوری دنیا پر قابض اور وسائل پر قبضہ چاہتا ہے۔عالمی برادری امریکی ایجنڈے کو روکے۔پاکستان کو چاروں طرف سے گھیر لیا گیا ہے۔ہم پوری دنیا میں امریکی ظلم کو بے نقاب کریں گے اور قانونی جنگ لڑیں گے۔امریکہ نے امریکی شہری جان واکر اور آسٹریلین اور برطانوی باشندوں کو خصوصی ٹریبونل سے ماورا قرار دے دیا ہے۔یاد رہے کہ صغیر کو بے گناہ قرار دے کر کچھ عرصہ قبل رہا کر دیا گیا تھا۔پریس کانفرنس میں غیر ملکی ذرائع ابلاغ کے نمائندے کثیر تعداد میں موجود تھے۔ (بشکریہ نوائے وقت روزنامہ لاہور)

☆☆☆☆☆☆

تربیتی کنونشن

☆......۱۵،۱۶،۱۷ اگست بروز جمعہ،ہفتہ اور اتوار کو شیران اسلام پاکستان کے زیر اہتمام سیالکوٹ میں ایک تربیتی کنونشن منعقد کیا جا رہا ہے۔جس میں ملک بھر سے شیران اسلام کے نوجوان شرکت فرمائیں گے۔

☆......۲۷ جولائی بروز اتوار صبح دس بجے نقش لاثانی پبلک سکول عقب جناح اسٹیڈیم سیالکوٹ میں خصوصی اجلاس منعقد ہوا۔جس کی صدارت مرکزی امیر شیران اسلام جناب شجاعت علی مجاہد نے کی۔جس میں تربیتی کنونشن کے انتظامات کا جائزہ لیا گیا۔

مبارک باد

☆......جناب حافظ ظفر ندیم پرنسپل نقش لاثانی پبلک سکول سیالکوٹ کو شیران اسلام گوجرانوالا ڈویژن کا ناظم جبکہ جناب محمد طارق سردار آف شکر گڑھ ضلع نارووال کا ناظم

میسر جس کو گویا تا ابد قرب پیمبر ہے

یار غار

جو ہے سچے دل سے شیدا اہل بیت اطہار علیہ الرضوان کا
وہ بصد اخلاص ہے مشتاق یار غار کا

ہاں وہ یار غار جس نے صدق کی تصدیق کی
واہ وا پہلا مصدق احمد مختار ﷺ کا

ہاں وہ یار غار جس نے سید ابرار ﷺ پر !
کر دیا قرباں اثاثہ اپنے سب گھر بار کا

ہاں وہ غار یار جس نے رب کو راضی کر لیا
حق ادا کر کے ولائے سید ابرار کا

ہاں وہ یار غار جس کے نام آیا ہے سلام
خالق کونین ،رب ارحم و غفار کا

ہاں وہ یار غار جس نے دین کا کر کے دفاع
پھیر ڈالا رخ سدا خطرات کی یلغار کا

ہاں وہ یار غار جومحبوب ہے، ممدوح ہے
سب صحابہ رضی اللہ عنہم کا خصوصاً حیدر کرار کا

ہاں وہ یار غار جس کا ذکر و فکر و اشتیاق
ہے مداوائے یقینی ہر دل بیمار کا

ہاں وہ یار غار ہے جس کی محبت کا سرور
نور جاں افروز میرے دیدۂ بیدار کا

ہاں وہ یار غار جس کی ہر ادا ہے دے رہی
درس تسلیم و رضا کا ،ہمت و ایثار کا

میں بھی آسی ہوں بفیض شیخ اس سرکار کا
اکرم اولاد آدم ہے جو بعد از انبیاء

ماهنامه مجلة الحقيقه
رجسٹرڈ نمبر سی پی ایل 590